کیا
اختلافِ اُمّت رحمت
ہے



جامع العلوم و محدث العصر
علّامہ تمنّا عمادی مجیبی پھلواروی رح

شائع کردہ
الرّحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳ - ۷ - ۱ے - بلاک نمبر ۱ - ناظم آباد - کراچی ۷۴۶۰۰
فون: ۶۲۱۴۴۹ — ۶۲۷۸۴۰

فہرست

حرفِ اوّل

جب شعور کی آنکھ کھولی اس وقت سے یہی سُنتے چلے آرہے تھے کہ "اختلاف امت رحمت ہے" اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر مشہور و معروف تھی حالانکہ "اختلاف" اور "رحمت" دو مخالف و متضاد باتیں ہیں اگر ہم "اختلاف" کو "رحمت" سمجھیں تو "اتفاق" کو "عذاب" کہنا پڑیگا جو کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا بلکہ خلافِ عقل متصوّر ہوگا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ یہ حدیثِ نبوی ہے سرِ تسلیم خم کرتے ہی بنتی تھی لیکن اب جبکہ علامہ تمنا عمادیؒ کی یہ تحریر پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث نہ صحاح ستہ کے کسی مجموعے میں ہے نہ مُوطا امام مالکؒ (جو حدیث کی پہلی کتاب ہے، امام مالکؒ مدینہ میں ہی پیدا ہوئے ساری زندگی وہیں گذاری اور دفن بھی وہیں ہوئے) میں ہے حتیٰ کہ احادیث کی دیگر پینسٹھ کتابوں میں سے کسی میں بھی نہیں۔ صرف حافظ جلال الدین سیوطیؒ (م۔ ۹۱۱ھ) کی جامع صغیر میں ہے جو ایک مختصر مجموعہ ہے (جیسا کہ نام سے ظاہر ہے) لیکن بغیر کسی سند کے یعنی بالکل معلق، ساتھ حافظ صاحبؒ نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ہمارے شیخ کے مطابق یہ حدیث ضعیف ہے۔ اسناد نہ ملنے کی صورت میں کبھی اس حدیث کو "اختلاف امتی رحمۃ" لکھا ہے اور کبھی "اختلاف اصحابی رحمۃ"۔۔۔ دراصل "اختلاف امتی رحمۃ" کو حدیثِ رسولؐ قرار دے کر کسی نے بھی نہیں لکھا بلکہ علامہ سخاویؒ نے تو اعتراف کیا ہے کہ دراصل یہ کوئی حدیث نہیں بلکہ ایک قول ہے جو زبانوں پر مشہور ہو گیا ہے۔ قرآن مبین تو اختلافات مٹانے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اختلافات مٹانے کے لئے ہی تو انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں بھیجا اور آسمانی کتابیں نازل کیں۔ قرآن مجید کی سورہ البقرہ آیت ۲۱۳، سورہ زخرف آیت ۶۳، سورہ نحل آیت ۶۴ کو دیکھئے اور اختلافات کا فیصلہ قرآنی اصولوں کے مطابق ہونا چاہیئے جیسا کہ بیان فرمایا گیا ہے سورہ شوریٰ آیت ۱۰، اور سورہ مائدہ آیت ۴۴، ۴۵، ۴۷ میں۔

اور اگر ان اصولوں کے مطابق فیصلہ نہیں کیا گیا تو پھر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خود فیصلہ فرمادیں گے (سورہ حج آیت ۶۹)

علامہؒ نے آخر میں تحریر فرمایا ہے کہ "اصل قانون تو کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے۔ سنت نبویؐ، سنت خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کی حیثیت نظائر کی سی ہے۔ قانون کا صحیح منشا سمجھنے کے لئے نظائر کا دیکھنا بے شک ضروری ہے مگر وہیں جہاں قانون میں قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہوں اور نظائر میں جزئیات کی تصریحیں ملیں اور جہاں قانون صاف اور واضح الفاظ میں ہو وہاں نظائر کی کوئی ضرورت نہیں۔"

نظام الدین خان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اختلافُ اُمّتِیْ رَحمۃ

(میری اُمت کا آپس میں اختلاف رکھنا ایک رحمت ہے)

کہا جاتا ہے کہ یہ خلافِ عقل اور خلافِ قرآن مجید بات (نعوذ باللہ من ذلک) حدیث رسول ؐ ہے۔ باوجود اس کے کہ حدیث کی جو معتبر چھ کتابیں ہیں یعنی بخاری، مسلم، ترمذی ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ (جن کو صحاح ستہ کہتے ہیں)، اور حدیث کی سب سے پہلی کتاب امام مالکؒ کی مؤطاء ان میں سے کسی کتاب میں بھی یہ حدیث نہیں ملتی۔ اسی قدر نہیں بلکہ جن کتابوں کا درجہ ان سات کتابوں کے بعد ہے، جیسے امام شافعیؒ کی کتاب [1] الام، مسند [2] امام احمد، مسند [3] امام شافعی، مسند [4] امام ابوحنیفہؒ، موطائے [5] امام محمد، سنن [6] دارمی، سنن [7] دارقطنی مسند [8] ابوداؤد الطیالسی، مستدرک [9] حاکم، سنن [10] ابن جریج، سنن [11] ابن اسحاق، سنن [12] ابن قرہ موسیٰ بن طارق، سنن [13] عبدالرزاق بن ہمام، جامع [14] المسانید ابن جوزی، جامع [15] المسانید ابن کثیر، مسند [16] ابویعلی، مسند [17] بزار، معجم [18] کبیر طبرانی، مجمع [19] الزوائد، سنن [20] کبریٰ نسائی، سنن [21] کبریٰ بیہقی، کنز [22] العمال جمع [23] الجوامع للسیوطی، اتحاف [24] الخیرہ بزوائد المسانید العشرہ لاحمد بن ابی بکر البوصیری، مسند [25] حمیدی مسند [26] مسدد، مسند [27] ابن ابی عمر، مسند [28] اسحاق بن راہویہ، مصنف [29] ابن ابی شیبہ، مصنف [30] احمد بن منیع مصنف [31] عبد بن حمید، مسند [32] حارث بن محمد بن ابی اسامہ، المختارہ [33] لمحمد بن عبدالواحد المقدسی، اور بحر [34] الاسانید حافظ احمد بن حسن السمرقندی وغیرہ احادیث کی مشہور کتابوں میں کہیں اس حدیث کا نام و نشان نہیں، مگر پھر بھی مخالف قرآن مجید اور مخالف عقل سلیم ہونے کے یہ گمراہ کن قول ہمارے علماء کے نزدیک حدیث رسول ؐ ہے۔ اور اس کو اس طرح فرقہ پرستی کے ثبوت

میں پیش کیا جاتا ہے جیسے یہ قرآن مجید کی کوئی آیت ہی ہو، یا کم سے کم سلف سے خلف تک سارے علمائے دین کی ایک متفق علیہ کوئی حدیث متواتر ہے۔ جس کے سُننے کے بعد ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سر تسلیم خم کر دے۔

حافظ سیوطی کے ہاں

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی ایک کتاب "جامع صغیر" ہے جس میں یہ حدیث ملتی ہے مگر مجھے اس کا یقین ہے کہ یہ حدیث جامع صغیر میں داخل کر دی گئی ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے خود اس کو اپنی کتاب میں درج نہیں کیا ہے۔ اگر سیوطی اس کو اس مختصر سی کتاب میں درج کرتے تو اپنی ضخیم کتاب "جمع الجوامع" میں بھی ضرور درج کرتے کیونکہ اس طویل وعریض کتاب کا نام ہی بتا رہا ہے کہ اس میں حافظ جلال الدین سیوطی نے حتی الوسع ساری حدیثوں کو جمع کر دیا ہے۔ پھر اگر یہ حدیث واقعی ان کے نزدیک حدیث رسولؐ تھی تو اس کو اپنی اس ضخیم کتاب میں جگہ کیوں نہ دی ؟

بہر حال اختلاف پسند اور فرقہ پرست علماء چونکہ جامع صغیر ہی کے حوالے سے اس گمراہ کن قول کو حدیث رسولؐ کہہ کر پیش کرتے ہیں اس لئے جامع صغیر کے حوالے کو تسلیم کرتے ہوئے ہی مجھ کو اس وقت بحث کرنا ہے، کیونکہ جامع صغیر میں اس کے وجود سے تو انکار کیا نہیں جا سکتا۔ وضاعین و کذابین نے ایک حدیث بنا کر جامع صغیر میں داخل کر دی ہے، صرف اتنا کہہ دینے سے روایت پرستوں کو خاموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ سہی، جامع صغیر کی تو ضرور ہے۔ میں اسی حیثیت سے اس پر بحث کرتا ہوں۔

حافظ جلال الدین سیوطی تو دسویں صدی کے آدمی ہیں، اس لئے یہ دیکھنا واجب ہے کہ اس حدیث کو وہ لائے کہاں سے ہیں ؟ تو جامع صغیر میں خود حوالہ موجود ہے کہ نصر المقدسی نے اپنی کتاب الحجۃ میں، اور بیہقی نے رسالہ الاشعریہ میں اس کو معلق بغیر سند کے لکھا ہے۔

پھر شارح جامع صغیر خود لکھتے ہیں لکنہ لم یجزم بہ بل قال روی یعنی بیہقی نے اس کو یقینی طور سے نہیں لکھا ہے بلکہ لکھا ہے کہ "روایت کی گئی ہے" یعنی اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے اور مشکوک طریقے سے بیان کیا ہے جس کو آخر میں خود ہی صاف طور سے لکھ دیا کہ قال الشیخ حدیث ضعیف یعنی شیخ نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ تو خود اس کے روایت کرنے والوں کا اعتراف ہے مگر تحقیق کی نظر ڈالنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ فقط ضعیف ہی نہیں یہ بالکل موضوع حدیث ہے، ایک من گھڑت قول ہے ایک گمراہ کن مقولہ ہے جس کی نسبت کسی مفسد نے پہلے پہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کردی، اس کے بعد اختلاف پسند و فرقہ پرست طبائع نے اس کو اپنی تصنیفات میں درج کرنا شروع کر دیا اور پھر اس کی تائید میں بعض تابعین و اتباع تابعین کے اقوال بھی بنا ڈالے۔

نصر مقدسی

سب سے پہلے تو نصر مقدسی ہی کو دیکھئے کہ ان کا ذکر نہ امام ذہبی اپنی کسی کتاب رجال میں کرتے ہیں نہ ابن حجر، نہ طبقات ابن سعد میں ان کا کہیں ذکر ہے نہ انساب سمعانی میں۔ یہاں تک کہ ان کی کتاب الحجۃ جس کا حوالہ جامع صغیر میں ہے اس کتاب کا ذکر کشف الظنون میں بھی نہیں۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمعانی و ذہبی و ابن حجر سب سے متاخر ہیں۔ لیکن حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ہی نہیں بلکہ علامہ ابراہیم بن عثمان الزرکشی الکاشغری متوفی ۶۴۵ھ بھی صرف انہیں کا حوالہ اس حدیث کے متعلق دیتے ہیں۔ اس لئے یہ اگر علامہ زرکشی سے متقدم نہیں تو ان کے ہمعصر ضرور ہیں۔ یعنی ۶۴۵ھ سے پہلے یا شاید کچھ بعد ان کی وفات ہو، اس لئے سمعانی نہیں تو امام ذہبی اور حافظ ابن حجر کو تو ضرور ان کا ذکر کرنا تھا۔ سمعانی کی وفات ۵۶۲ھ میں ہے لیکن ذہبی کی وفات ۷۴۳ھ میں ہے اور ابن حجر کی وفات تو ۸۵۲ھ میں ہوئی ہے یہ تو نویں صدی کے ہیں، ذہبی بھی زرکشی کا ذکر کرتے ہیں اور ابن حجر بھی۔ مگر جس کی کتاب کا حوالہ زرکشی اپنی کتاب میں دیتے ہیں اور اس کو اپنا معتمد علیہ سمجھتے ہیں، جو ان سے کچھ متقدم یا ان کا ہم عصر معتمد علیہ ہے اس کا ذکر نہ ذہبی کرتے ہیں نہ ابن حجر

آخر اس کی کوئی وجہ ہونی چاہئے۔

قاضی حسین

اصل یہ ہے کہ سب سے پہلے جن صاحب نے دنیا کو اس گمراہ کن قول سے حدیث رسولؐ قرار دے کر روشناس کرایا وہ قاضی حسین صاحب تھے۔ جیساکہ جامع صغیر میں قاضی حسین اور امام الحرمین کا ذکر کیا ہے کہ ان دونوں نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ یہ قاضی صاحب کون تھے؟ اس کو بھی سُن لیجئے۔ باوجود اس کے کہ یہ چوتھی صدی کے بزرگ ہیں یعنی قاضی حسین کی وفات ۳۳۰ھ کی ہے ان کا ذکر امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ اور ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ اپنی کتابوں میں نہیں فرماتے۔ البتہ ابو محمد عبداللہ بن اسعد الیافعی متوفی ۷۶۸ھ اپنی کتاب مراۃ الجنان میں اور عبدالکریم بن اسمعانی کتاب الانساب میں اور نواب صدیق حسن خاں اتحاف النبلاء میں ان کا مختصر ذکر کرتے ہیں یعنی ان کا نام حسین بن اسمعیل بن محمد اور ابوعبداللہ کنیت ہے۔ ۹۵ برس کی عمر پائی۔ ساٹھ برس تک مسلسل کوفہ کے قاضی رہے۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں ان کو "طیبی" لکھا ہے۔ اتحاف النبلاء پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "ابراز الغی" میں زبردست نکتہ چینی کی ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ان کی نظر بھی اس پر نہیں پڑی۔ انساب سمعانی میں طَیبی اور طِیبی یعنی بالفتح و بالکسر دو نسبتوں کا ذکر کیا ہے بالفتح ابوطیبہ عیسی بن سلیمان کی اولاد دوم "طیب" ایک شہر تھا واسط و اہواز کے درمیان اس کے رہنے والے مگر قاضی حسین کو ان دونوں نسبتوں سے کوئی نسبت نہیں۔ یہ درحقیقت بنی ضَبَّہ سے تھے۔ اس لئے ان کو ضبّی لکھتے ہیں۔ چنانچہ سمعانی نے ان کے والد اسمعیل بن محمد بن ابان المحاملی الضبّی کا ذکر لفظ ضبّی کے تحت کیا ہے۔ اور خود ان کا نام محاملی کے تحت کیا ہے پہلے ان کے بھائی ابوعبیداللہ قاسم کا نام لکھا ہے پھر ان کا نام ابوعبداللہ حسین بن اسمعیل بن سعید بن ابان لکھا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ وہاں تو اسمعیل بن محمد بن ابان لکھتے ہیں اور یہاں اسمعیل بن سعید بن ابان لکھ رہے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم بھی اسمعیل بن محمد ہی لکھتے ہیں۔ مراۃ الجنان میں ان کو ضبّی المحاملی تو لکھا ہے مگر ان کے

دادا کا نام ہی نہیں لکھا۔ غالباً "سعید" غلط ہے۔ "محمد" ہی صحیح ہے۔ بہرحال ان کے دادا ان کے والد ان کے بھائی سب کوفی تھے۔ اور یہ بھی کوفے میں پیدا ہوئے اور کوفے ہی میں برابر رہے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ دین اسلام میں جو فتنہ بھی اٹھا وہ عموماً کوفہ ہی سے اٹھا ہے۔ الا ماشاء اللہ! چنانچہ اس گمراہ کن قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت دینے کی ابتدا بھی کوفے ہی سے ہوئی۔

باقی رہے امام الحرمین یعنی ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف ضیاء الدین الشافعی متوفی ۴۷۸ھ ۔ ان کی تصنیفات میں رسالہ نظامیہ، مغیث الخلق لاتباع الحق، البرھان فی اصول الفقہ اور الارشاد فی الکلام مشہور کتابیں ہیں۔ ان میں سے کسی کتاب میں امام الحرمین نے "اختلاف امتی رحمۃ" کو حدیث رسولؐ قرار دے کر کسی جگہ بھی نقل نہیں کیا ہے۔ اور بالفرض اگر امام الحرمین نے اپنی کسی کتاب میں کہیں اس قول کا ذکر کر بھی دیا ہو تو قاضی حسین ہی کی تحریر سے متاثر ہو کر، ان کے اعتماد پر لکھ دیا ہوگا جس طرح خود حافظ جلال الدین سیوطی، قاضی حسین اور امام الحرمین کے نام تو لکھ رہے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے اپنی کس کتاب میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اگر جانتے ہوتے تو ضرور ان کی ان کتابوں کے نام بتائے ہوتے جس طرح نصر مقدسی کی کتاب اور بیہقی کی کتاب کا نام بتایا۔ قاضی حسین اور امام الحرمین کی کتابوں کے نام کا ذکر نہ کرنا اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حافظ سیوطی نے کسی سے سن کر ایسا لکھ دیا تھا۔

اور حلیمی یعنی ابوعبداللہ الحسین بن الحسن بن محمد بن حلیم الجرجانی الشافعی۔ یہ نیساپور میں ۳۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم پائی یہیں پروان چڑھے اور پھر یہیں حدیث کی اشاعت کرتے رہے ۴۰۳ھ میں وفات پائی۔ نیساپور کو تو آپ خوب جان چکے ہیں جو جھوٹی حدیثوں کی خاص اشاعت گاہ تھی۔ اس لئے اگر ان کو یہاں یہ حدیث کسی سے مل گئی ہو یا قاضی حسین ہی کی تحریر سے مل گئی ہو تو کیا تعجب ہے؟ مگر یہ تعجب ضرور ہے کہ سب کے سب بغیر کسی سند کے،

بغیر راویوں کے سلسلۂ اسناد کے، بغیر راوی صحابی کے ذکر کے اس کگرا کُن قول کو حدیث رسولؐ تسلیم کر کے آخر اپنی کتابوں میں کس طرح لکھ گئے۔ اسی طرح بیہقی حافظ احمد بن الحسین الشافعی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اپنے رسالہ اشعسایہ میں اس کا ذکر حدیث کی حیثیت سے کر دیا۔ اگرچہ قول ضعیف قرار دے کر یعنی سُرِدِیَ کہہ کر۔ شارح صاحب نے سبکی و دیلمی کا بھی ذکر کر دیا۔ دیلمی ابو شجاع الہمدانی متوفی ۵۰۹ھ جن کی مسند الفردوس مشہور ہے۔ اور سبکی تقی الدین علی بن عبد الکافی الشافعی متوفی ۷۵۶ھ (بعضوں نے ان کا سال وفات ۷۴۴ھ لکھا ہے)

سیوطی کی توضیح

حافظ جلال الدین سیوطی ان لوگوں کا نام لکھ کر خود لکھتے ہیں کہ ولعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا یعنی شاید اس حدیث کی تخریج بعض حافظوں کی ان کتابوں میں کی گئی ہو جو ہم لوگوں تک نہیں پہنچیں۔ یہ لکھ کر حافظ سیوطی نے اس کانٹے کو نکالنا چاہا ہے جو خود ان کے اور ہر ایک انصاف پسند کے دل میں کھٹکتا ہے کہ اگر یہ واقعی حدیث رسول ہے تو کس صحابی نے اس کی روایت کی؟ اور پھر صحابی کے بعد والے راوی کون کون ہیں؟ اور پھر دوسری یا تیسری صدی کے کس شیخ الحدیث نے اس کو اپنی کتاب میں اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے؟ تو یہ ایک کانٹا جس کی تین تین نکیلی نشتر نما شاخیں ہیں، اس کے نکالنے کی یہ سبیل نکالی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ بعض حفاظِ حدیث نے اس کو اپنی کتاب میں ضرور صحابی کے نام اور سلسلہ اسناد کے ساتھ روایت کیا ہوگا مگر وہ کتاب ہم لوگوں تک نہیں پہنچ سکی اس لئے ہم لوگ نہ اس کے سلسلۂ اسناد سے واقف ہو سکے نہ اس کے راوی صحابی کے نام سے آگاہ ہو سکے۔ اگر فرضی وہمی طریقے سے یہ سہ شاخہ زبردست کانٹا اس آسانی سے نکل جا سکتا ہے تو پھر سارے موضوعات کے دفتر کو بھی صحاح کا لقب دیا جا سکتا ہے اور ہر موضوع و مکذوب حدیث کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حدیث عالی اسناد سے کسی حافظِ حدیث نے اپنی کتاب میں روایت کی ہو اور وہ کتاب ہم لوگوں تک نہ پہنچی ہو۔

اس حدیث کی ضرورت

اصل یہ ہے کہ تیسری صدی تک مسلمانوں میں دینی اختلافات بہت کافی حد تک پھیل چکے تھے ۔ فرقہ بندیاں قائم ہو چکی تھیں قرآن مبین میں اختلافات پیدا کرنے کی صریح ممانعتیں موجود تھیں اور دین میں اختلاف پیدا کرنا اہل بغی کا کام بتایا گیا تھا ۔ فرقہ بندی کی ممانعت اس قدر سخت تھی کہ اس کو شرک قرار دیا گیا ۔ ان حالات میں اختلاف پسند طبائع اور فرقہ پرست عناصر کے لئے کوئی سہارا اپنے اختلافات کو برقرار رکھنے کا مل نہیں رہا تھا ، ایسے بے بسی کے وقت میں جو گمراہ کن قول حدیثِ رسولؐ کے نام سے قاضی حسین یا ان سے پہلے کسی نے پیش کر دیا تو پھر ان لوگوں کو بہت بڑا سہارا مل گیا ، چاہے وہ ایک تنکا بلکہ ایک تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہی کیوں نہ ہو ۔ نہ انہوں نے اس کی پروا کی کہ اس کے راوی صحابی کا تو پتہ ہی نہیں ہے نہ اس کی پروا کی کہ دوسری تیسری صدی میں کسی جامع احادیث نے اس گمراہ کن قول کو حدیث رسولؐ کہہ کر اپنی کتاب میں داخل نہیں کیا مگر تھی یہ ان کے کام کی اور ان کے جی کی بات اس لئے فوراً دانتوں سے اس کو پکڑ لیا ۔ مگر محدث خود سے اس کے لئے اسناد گھڑ نہیں سکتے تھے ، نہ اپنے جی سے کسی صحابی کی طرف اس کو منسوب کر سکتے تھے ۔ اس لئے بیہقی نے رسالہ اشعریہ میں تو ایک قول ضعیف قرار دے کر وَ رُوِیَ کے ساتھ اس کا ذکر کر دیا مگر اپنی حدیث کی کتابوں میں خصوصاً سنن کبریٰ میں اس کا مطلق ذکر نہ کیا ۔

شارح جامع صغیر نے اور کمال کیا ۔ سیوطی نے جو لکھا کہ "شاید بعض حفاظ حدیث کی کتابوں میں اس حدیث کی تخریج کی گئی ہو اور وہ کتابیں ہم لوگوں تک نہ پہنچ سکیں تو شارح صاحب نے اس گرتی ہوئی دیوار پہ ایک کھوکھلا پشتہ لگانے کی کوشش یوں فرمائی کہ لکھتے ہیں کہ "بات بھی یونہی ہے ۔ چنانچہ بیہقی نے اپنی کتاب مدخل میں اور دیلمی ابوشجاع الہمدانی متوفی ۵۰۹ھ نے اپنی کتاب الفردوس میں اس کی اسناد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف کی ہے ۔ اس کے بعد پھر خود ہی مجبوراً تحریر فرماتے ہیں کہ "لیکن بیہقی نے مدخل میں اور دیلمی نے

فردوس میں) اختلاف اصحابی رحمۃ کے لفظوں کے ساتھ۔" یعنی ان دونوں نے جو حدیث ابن عباس سے روایت کی ہے وہ اختلاف امتی رحمۃ تو نہیں ہے مگر اختلاف اصحابی رحمۃ ہے پھر آخر میں شارح صاحب اتنا اعتراف کر کے یہ بحث ختم کرتے ہیں کہ قال الشیخ حدیث ضعیف یعنی شیخ نے فرمایا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ یعنی یہ اختلاف اصحابی رحمۃ بھی باوجود حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہونے کے حدیث ضعیف ہی ہے۔ اس کی وجہ شارح صاحب نے نہیں لکھی کہ یہ حدیث بھی ضعیف ہی کیوں ہے۔ اس کی تصریح آگے آتی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ" قال الشیخ حدیث ضعیف" اختلاف امتی رحمۃ والی حدیث کے متعلق لکھا ہو۔ پہلی عبارت کی شرح بطور جملہ معترضہ بیان کرنے کے بعد پھر اوپر ہی کے سلسلے کی بات بیان کی ہو۔ اسی لئے میں نے پہلے قال الشیخ حدیث ضعیف کو اختلاف امتی رحمۃ ہی کے متعلق قرار دیا ہے۔ مگر چونکہ جو لوگ ان دونوں حدیثوں کو موضوع و کذب و افتراء نہیں کہتے ان سبھوں کے نزدیک یہ دونوں حدیثیں ضعیف تو ضرور ہیں اس لئے یہ قول دونوں کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ اختلاف امتی تو محض ایک قول بے سند ہے اس لئے اس کا ضعف ظاہر ہے مگر اختلاف اصحابی بھی باوجود اس کی اسناد مذکور ہونے کے ضعیف ہی ہے اس کا اعتراف بھی تمام محدثین کو ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس لئے یہ نہ کہئے کہ پہلے تو قال الشیخ حدیث ضعیف کو اختلاف امتی سے متعلق قرار دیا اور اب یہاں اختلاف اصحابی والی حدیث سے متعلق قرار دے رہے ہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ اس کے متعلق کہیں جب بھی صحیح ہے اور اس کے متعلق کہیں جب بھی صحیح ہے۔

یہ بھی آپ معلوم فرمالیں کہ یہ شرح جامع صغیر کون سی ہے اور شارح کا نام کیا ہے؟ اس شرح کا نام السراج المنیر ہے اور شارح علی بن احمد بن نور الدین محمد بن ابراہیم العزیزی

متوفی ۱۰۳۱ھ ہیں۔

علامہ السخاوی

جامع صغیر و شرح جامع صغیر ج ۱ ص۴۲ میں اس حدیث کی جو بحث تھی وہ تو آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اب ایک دوسری کتاب کی بھی سیر فرما لیجئے۔ علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی متوفی ۹۰۲ھ اپنی کتاب "المقاصد الحسنہ فی الاحادیث المشھورۃ علی الالسنہ" کے ص۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "البیہقی فی المدخل من حدیث سلیمان بن ابی کریمہ عن جویبر عن الضحاک عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مھما اوتیتم من کتاب اللہ فالعمل بہ لا عذر لاحد فی ترکہ۔ فان لم یکن فی کتاب اللہ فسنۃ منی ماضیۃ، فان لم تکن سنۃ منی فما قال اصحابی۔ ان اصحابی بمنزلۃ النجوم فی السماء فایما اخذتم بہ اھتدیتم۔ واختلاف اصحابی لکم رحمۃ۔ ومن ھذا الوجہ اخرجہ الطبرانی والدیلمی فی مسندہ بلفظ سواء

ا؎ یہ حدیث چونکہ جوئبر کوفی نے وضع کی تھی اس لئے شیعہ مذہب کے بعض متاخرین کی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ علامہ باقر مجلسی مشہور شیعہ محدث نے اپنی کتاب "بحار الانوار" جلد اوّل ص۱۰۵ میں تھوڑے سے لفظی ردوبدل کے ساتھ علامہ طبرسی کی کتاب الاحتجاجات سے بروایت امام جعفر صادق یہ حدیث نقل کی ہے مگر انہوں نے بھی اسناد کا ترک ہی مناسب خیال کیا۔ امام جعفر صادق سے شیخ طبرسی تک کتنے راوی تھے اور کون کون تھے کچھ نہیں معلوم۔ اور امام جعفر صادق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کون کون بزرگ تھے؟ اس کے پوچھنے کی انہیں کوئی ضرورت ہی نہیں۔ کسی امام کا صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکن شیعیت کی مناسبت سے آخر میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اختلاف اصحابی رحمۃ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اصحاب کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرے اہل بیت۔ اس کے بعد علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ محمد بن الحسن بن بابویہ القمی نے کہا کہ اہل بیت باہم اختلاف نہیں کرتے ہیں مگر وہ شیعوں کے لئے فتویٰ دیتے ہیں حق جو تلخ ہوتا ہے اور بسا اوقات انہیں فتوے دیتے ہیں تقیہ کر کے تو ان کے اقوال میں جو اختلاف ہوتا ہے وہ تقیہ کے سبب سے ہوتا ہے والتقیۃ رحمۃ للشیعہ اور تقیہ شیعوں کے لئے رحمت ہے۔

وجویبر ضعیف جدّا والضحاک عن ابن عباس منقطع. وقد عزاہ الزرکشی الی کتاب الحجۃ لنصر المقدسی مرفوعا من غیر بیان لسندہ ولا صحابتہ وکذا اعزاہ العراقی لادم بن ابی ایاس فی کتاب العلم والحکم بدون بیان بلفظ" اختلاف اصحابی رحمۃ لامتی قال ھو مرسل ضعیف۔ وبھذا اللفظ ذکرہ البیھقی فی رسالۃ الاشعریۃ بغیر اسناد وفی المدخل لہ من حدیث سفیان عن افلح بن حمید عن القاسم بن محمد قال اختلاف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ لعباد اللہ۔

یعنی سخاوی شروع میں تو لکھتے ہیں" حدیث اختلاف امتی رحمۃ" مگر اس کے بعد جو کچھ لکھتے ہیں وہ اختلاف اصحابی کے متعلق ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ" بیہقی نے مدخل میں سلیمان بن ابی کریمہ کی حدیث جویبر سے وہ ضحاک سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تک تم پاتے رہو اللہ کی کتاب سے (احکام) تو اسی پر عمل کرتے رہو، کسی کو اس کے ترک کرنے کے لئے کسی عذر کی گنجائش نہیں تو اگر (وہ مسئلہ) کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو میری سنت جو چلی آرہی ہے (اس میں ڈھونڈھو) اگر میری سنت میں بھی (وہ مسئلہ) نہ ملے تو جو کچھ میرے صحابہ کہیں، کیونکہ میرے صحابہ بمنزلہ ستاروں کے ہیں آسمان پہ۔ (یعنی جس طرح آسمان پہ ستارے ہیں اسی طرح صحابہ زمین پر ہیں) تو (ان میں سے) جس کو بھی تم نے اتباع کے لئے لے لیا۔ تم نے ہدایت پالی۔ اور میرے صحابہ کا باہمی اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

اختلاف صحابہؓ

اور اسی صورت سے اس حدیث کو طبرانی اور دیلمی نے اپنے مسند میں روایت کیا ہے یکساں الفاظ سے۔ مگر جویبر ضرور ضعیف راوی ہیں۔ اور ضحاک کی روایت حضرت ابن عباس سے منقطع ہے اور زرکشی نے اس کی نسبت کتاب الحجہ کی طرف کی ہے جو نصر مقدسی کی کتاب ہے مرفوعاً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دے کر، لیکن بغیر سند بیان کئے اور بغیر اس کے راوی صحابی کا نام بتائے ہوئے اور اسی طرح عراقی نے اس حدیث کی نسبت کی ہے کتاب العلم والحکم میں

آدم بن ابی ایاس کی طرف بغیر اسناد اور اصحابی کا نام بیان کئے، ان لفظوں میں کہ اختلاف اصحابی رحمۃ لامتی اور کہا کہ یہ حدیث ایک ضعیف مرسل ہے اور انہیں لفظوں سے اس حدیث کا ذکر بیہقی نے اپنے رسالہ الاشعریہ میں کیا ہے بغیر اسناد کے۔ اور بیہقی ہی نے مدخل میں سفیان کی حدیث لکھی ہے جس کو سفیان افلح بن حمید سے وہ قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اختلاف ایک رحمت ہے اللہ کے بندوں کے لئے۔

آخری حدیث جو سفیان ثوری سے مروی ہے وہ حدیث رسولؐ نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ متوفی ۱۰۶ھ کا ذاتی قول ہے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا اور اس کے بعد اور بھی بعض تابعین کے اقوال لکھے ہیں جن پر میں بعد کو بحث کروں۔

مجھ کو دکھانا یہ ہے کہ درحقیقت اختلاف امتی رحمۃ کو حدیث رسولؐ قرار دے کر کسی نے بھی نہیں لکھا ہے۔ نہ نصر مقدسی نے کتاب الحجۃ میں نہ بیہقی نے رسالہ اشعریہ یا مدخل میں اور نہ طبرانی و دیلمی نے لکھا ہے جن کے حوالے جامع صغیر میں منقول ہیں۔ سخاوی صاف طور سے لکھ رہے ہیں کہ ان سبھوں نے اختلاف اصحابی ہی کی روایت نقل کی ہے چاہے بغیر سند اور بغیر ذکر صحابی کے لکھی ہو چاہے ابن عباس کی طرف سلیمان بن ابی کریمہ و جویبر و ضحاک کے سلسلہ اسناد کے ذریعے منسوب کر کے ان میں سے کوئی بھی اختلاف امتی روایت نہیں کرتا۔ سخاوی نے صاف طور سے بحوالہ زرکشی بتا دیا کہ نصر مقدسی نے بھی اختلاف اصحابی ہی کو لکھا ہے، اس کو بھی بیان کر دیا کہ بیہقی کے رسالہ اشعریہ اور مدخل دونوں میں اختلاف اصحابی ہی ہے۔ دیلمی کے متعلق بھی واضح کر دیا کہ ان کی مسند فردوس میں بھی اختلاف اصحابی ہی ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کتاب میں کبھی کسی جگہ اختلاف امتی کا لفظ ہوتا تو سخاوی ضرور لکھتے۔ خصوصاً جب وہ شروع میں اختلاف امتی رحمۃ کو حدیث قرار دے کر لکھ چکے تھے۔ باقی رہ گئے قاضی حسین، حلیمی اور سبکی اور

امام الحرمین کو بھی لے لیجئے۔ تو اگر واقعی ان لوگوں نے اپنی کسی کتاب میں اختلاف امتی رحمۃ کو حدیث نبوی کی حیثیت سے لکھا ہوتا تو سخاوی ان لوگوں کا اور ان کی ان کتابوں کا جن میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے ضرور ذکر کرتے۔ سخاوی اور سیوطی بالکل ہم عصر تھے۔ سخاوی کے سات برس بعد سیوطی کی وفات ہوئی ہے۔ سخاوی سے قاضی حسین، حلیمی، امام الحرمین اور سبکی کی تصنیفات پوشیدہ نہ تھی۔ اس لئے یقیناً ان لوگوں کی کتابوں میں اختلاف امتی رحمۃ ہے ہی نہیں، ان لوگوں نے بھی لکھا ہوگا تو اختلاف اصحابی رحمۃ ہی لکھا ہوگا۔ یا کچھ بھی نہ لکھا ہو۔ بلکہ زیادہ قرینہ یہی ہے کہ ان دو میں سے کوئی قول بھی ان لوگوں کی کتابوں میں منقول ہی نہ ہو۔ ورنہ سخاوی ان لوگوں کو ہرگز نظر انداز نہ کرتے۔ خصوصاً جبکہ یہ لوگ متقدم ہیں باعتبار بعض مذکورین کے اور قاضی حسین تو ان سب سے متقدم ہیں جن کے نام جامع صغیر و مقاصد حسنہ میں اس سلسلہ میں آئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ قاضی حسین کی اس تصنیف کا ذکر ہے جس میں انہوں نے اس حدیث کو لکھا ہے نہ حلیمی کی تصنیف کا نہ امام الحرمین کی تصنیف کا اور نہ سبکی کی تصنیف کا اور جن لوگوں نے اختلاف امتی نہ سہی اختلاف اصحابی ہی والی حدیث بھی اپنی کسی کتاب میں بلا سند یا کسی سند کے ساتھ لکھی تھی ان کے نام کے ساتھ ان کی اس کتاب کا بھی ذکر جامع صغیر میں موجود ہے۔ دیکھئے نصر مقدسی کی کتاب الحجۃ، بیہقی کے رسالہ اشعریہ اور مدخل دونوں کا ذکر تصریح کے ساتھ موجود ہے۔ شارح جامع صغیر نے وغیرہم کے شرح میں دیلمی اور سبکی کے نام تو لکھ دیئے مگر یہ نہیں بتایا کہ قاضی حسین و امام الحرمین و حلیمی و سبکی نے اپنی کن کن کتابوں میں اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ شارح کا یہ ایک فریضۂ منصبی تھا وہ سیوطی کے بتائے ہوئے محدثین کی کتابوں کے نام کیا بتاتے کہ خود سبکی کا نام صرف لکھ گئے مگر سبکی کی اس تصنیف کا نام نہیں بتایا جن میں سبکی نے یہ حدیث لکھی ہے۔ سبکی کی طبیعت سے وہ واقف تھے، قرینے سے سمجھے کہ سبکی نے ضرور یہ حدیث نقل کی ہوگی اس لئے سبکی کا نام بھی دیلمی کے ساتھ لکھ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حافظ جلال الدین سیوطی کا علم و فضل اور ان کا تقویٰ و ورع خاص کے دینی امور میں اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ایک جھوٹی حدیث کو زبردستی سچی بات کرنے کی کوشش کریں۔ واقعہ دراصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث جامع صغیر میں داخل کر دی گئی ہے، جبھی تو اس طرح کی کمزوریاں اس میں نظر آ رہی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے

قرینہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جویبر بن سعید الازدی الکوفی متوفی ۱۴۵ھ نے اس حدیث کو وضع کیا جس کا ذکر المقاصد الحسنہ میں سخاوی نے کیا ہے اور میں نے پوری عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ بھی آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ پوری حدیث فلسفہ نفسیات کے ماتحت بنائی گئی ہے کہ جس مسئلے کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کا حکم دریافت کرنا ہو سب سے پہلے قرآن مبین میں ڈھونڈو جب تک مسائل کے جوابات قرآن میں ملتے رہیں کسی اور طرف نظر دوڑانے کی ضرورت نہیں اور نہ قرآنی حکم چھوڑ دینے کے لئے کوئی عذر، کوئی حیلہ حوالہ نکالنے کی گنجائش ہے۔ ہاں کسی مسئلے کا جواب صریح طور سے قرآن میں نہ ملے تو پھر سنتہ رسول میں تلاش کرو۔ سنتِ رسول بھی نہ ملے تو اقوال صحابہؓ میں ڈھونڈھو۔ کیونکہ روئے زمین پر صحابہؓ کی حیثیت وہی ہے جو حیثیت آسمان پر ستاروں کی ہے۔ ان میں سے جن کو بھی تم نے پالیا اور جن کا قول بھی تمہیں مل گیا اور تم نے ان کا اتباع کیا تو ہدایت پا گئے۔

یہاں تک تو جویبر صاحب نے ایسی بات کہی جو عام طور پر مانی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد کہا کہ واختلاف اصحابی لکم رحمۃ۔ یعنی آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اور میرے صحابہ کا باہمی اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے" اس گمراہ کن قول کو ایسے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کیا ہے کہ پہلے اقوال کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد عقل ظاہر بین خواہ مخواہ اس قول کو بھی صحیح ہی تسلیم کر لے گی۔ کیونکہ صحابہ عہد نبوی و عہد خلفائے راشدین میں مختلف ملکوں میں عامۂ مسلمین کی تعلیم کے لئے امیر بنا کر بھیجے جاتے تھے۔

تو ان دُور دُور کے ملکوں میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ہی جیسی صورت مسئلہ متعدد جگہ پیش آئی اور ان متعدد مگر کردہ صحابہ نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق مختلف طریقے سے اجتہاد کیا اور مختلف جوابات اسی ایک صورت مسئلہ کے متعلق انہیں ان کے ذہنوں سے ملے اور وہ باہم مختلف احکام صادر کرنے پر مجبور ہوئے اور اس حکم دینے کے وقت ایک صحابی کو دوسرے صحابی کے حکم کی کوئی خبر نہ مل سکی۔ بعد والوں کو اسی ایک صورتِ مسئلہ کے متعلق متعدد صحابہ کے باہم مختلف احکام ملتے ہیں۔ اس صورتِ حالات میں یہ وضع کردہ ٹکڑا آسانی سے نبھ سکتا ہے۔

جویبر صاحب کا مقصود

دراصل واختلاف اصحابی لکم رحمۃ کا اضافہ کسی صحیح حدیث میں ایک اضافہ نہیں ہے بلکہ اسی اضافے کے لئے اوپر کا متعارف ومشہور مضمون بطور تمہید کے پہلے بیان کر کے عام مسلمان کے ذہنوں کو اس اضافے کے قبول کر لینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جویبر کا اصل مقصود اختلاف اصحابی لکم رحمۃ کو حدیث رسول ثابت کرنا تھا مگر وہ پہلے پہل صرف اسی کو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر بیان کر دیتے تو کوئی شخص بھی اس کو قبول نہیں کرتا اور ہر سُننے والا ان کو جھوٹا ہی کہتا۔ مگر جویبر بن سعید ایک غیر ثقہ اور متروک الحدیث راوی تھے اس لئے صحاح ستہ والے ہی نہیں بلکہ تیسری صدی تک کے تمام محدثین نے ان کی ایسی من گھڑت حدیث کو قابل التفات نہیں سمجھا اور کسی نے بھی اس کو اپنی کتاب میں داخل نہ کیا اور اگر کسی سازشی نے کسی شیخ الحدیث کی کتاب میں اس کو داخل بھی کر دیا ہوگا تو اسی خلاف عقل اضافے کی وجہ سے نظر پڑتے ہی اس شیخ الحدیث نے پہچان لیا ہوگا کہ یہ حدیث میری کتاب میں داخل کر دی گئی ہے۔ میری لکھی ہوئی نہیں ہے کیونکہ یہ مضمون ہی بالکل نیا ہے جو کبھی کسی سے نہیں سُنا گیا۔ اسی لئے سازشی منافقین کو اس کی متابعتوں کے بنانے کا بھی موقع نہ ملا۔ اور اگر کسی نے کوئی متابعت بنائی بھی ہو گی تو وہ مقبول نہ ہو سکی اور رواج نہ پا سکی۔

؎ اس کی تشریح کے لئے مضمون کا آخری حصہ ملاحظہ فرمائیے۔

جویبر کون ہیں؟

یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی ان کو متروک الحدیث سمجھتے تھے اس لئے ان سے کبھی کوئی حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین ان کو ضعیف لیس بشئی کہتے تھے۔ علی بن المدینی کہتے ہیں کہ ان کے والد نے کہا کہ یہ تو قطعاً ضعیف ہیں۔ ضحاک سے بہت منکر حدیثیں روایت کیا کرتے ہیں۔ یعقوب بن سفیان نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جن سے روایت کرنا جائز نہیں۔ نسائی، علی بن الجنید اور دارقطنی نے ان کو متروک الحدیث قرار دیا ہے اور نسائی نے غیر ثقہ بھی کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ ضعف تو ان کی حدیثوں پہ چھایا ہوا ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس نے ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابو احمد الحاکم نے کہا کہ یہ گئی گذری حدیث والے ہیں اور ابو عبداللہ الحاکم نے کہا کہ میں ان کی ذمہ داری سے اللہ کے سامنے اپنی براءت کا خواستگار ہوں یکم وبیش ۱۴۵ھ میں ان کی وفات ہے۔ تہذیب التہذیب اور لسان المیزان وغیرہ میں ان تفصیلی حال موجود ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا کہ لوگوں نے تفسیری روایتوں کے لینے میں تساہل سے کام لیا، کہ ایسے لوگوں سے تفسیر لیں جن کو وہ حدیثوں کے لینے کے وقت قابل وثوق نہیں سمجھتے مثال کے طور سے ضحاک، جویبر اور محمد بن السائب الکلبی کے نام لئے اور فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی حدیثیں قبول نہیں کی جاتیں، مگر ان کی بیان کردہ تفسیریں قبول کر لی جاتی ہیں۔ دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲۴

ضحاک بن مزاحم

اسی ضمن میں ضحاک بن مزاحم کا حال بھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ یحییٰ بن سعید القطان نے جویبر بن سعید اور محمد بن السائب الکلبی کے ساتھ ضحاک کا ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ یہ بھی انہیں دونوں جیسے ہیں اور ان کی بھی تفسیر تو لی جاتی ہے مگر ان کی حدیثیں قبول نہیں کی جاتیں مگر بہتر ہے کہ مختصر طور سے ان کا حال بھی سن لیجئے مگر اتنا ذہن میں رہے کہ ضحاک بن مزاحم صاحب خالص خراسانی تھے۔

ابن حجر تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۵۴ میں لکھتے ہیں کہ امام شعبہ ضحاک سے روایت

نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ضحاک نے ابن عباسؓ سے کبھی ملاقات نہیں کی اور یحییٰ بن سعید نے کہا کہ ضحاک ہم لوگوں کے نزدیک ضعیف تھے اور ابن حبان نے کہا کہ تابعین کی ایک جماعت سے ضرور ملاقات کی مگر صحابی سے ان کی لقا ثابت نہیں۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ صرف تفسیر کے متعلق معروف ہیں مگر ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے یہ جو کچھ روایت کرتے ہیں وہ سب محل نظر ہیں۔ عبدالملک بن میسرہ نے کہا کہ انہوں نے ابن عباسؓ سے ہرگز ملاقات نہیں کی۔ مشاش[1] نے کہا کہ انھوں نے ابن عباسؓ کو دیکھا تک نہیں ۱۰۲ھ یا ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔ اتنی تفصیل کے بعد آپ اس روایت کو بھی دیکھ لیجئے کہ ضحاک صاحب حضرت ابن عباسؓ ہی سے اس حدیث کی روایت کر رہے ہیں۔

مگر میں جہاں تک سمجھتا ہوں اس میں قصور غریب ضحاک کا نہیں ہے بلکہ جویبر بن سعید عبدالعزیز بن ابی رواد، ابوجناب یحییٰ بن ابی حیۃ الکلبی وغیرہم کا ہے جن لوگوں نے حدیثیں بنائیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب کیں اور غریب ضحاک کے سر تھوپ دیں۔ اسی لئے جب خود ضحاک سے عبدالملک نے پوچھا کہ تم نے ابن عباسؓ سے کچھ سنا ہے؟ تو ضحاک نے کہا کہ نہیں۔ مگر ان کے کوئی متبعین اس کا شور مچاتے رہے کہ ضحاک نے ابن عباسؓ سے حدیثیں سنی ہیں۔ چنانچہ ابوجناب کلبی نے کہا کہ ضحاک نے کہا کہ میں ابن عباسؓ کے پڑوس میں سات برس تک رہا ہوں (شاید بچپن میں سات برس تک پڑوس میں رہے ہوں مگر نہ ان سے کچھ سننے کا موقع ملا نہ ان کو دیکھنے کا کبھی موقع ملا۔ یہ بھی اس وقت کہا جا سکتا ہے کہ شاید بچپن میں دیکھا ہو جب جائے کہ ضحاک خراسان سے اس عمر میں مدینے یا کوفے میں آئے ہوں؟)

تو آپ اس جویبر والی حدیث کو جس میں ایک تمہید کے ساتھ اختلاف اصحابی رحمۃ ولا مضمون ادا کیا گیا اس کے مفہوم اور اس کے راویوں کے حالات جان کر پوری طرح سمجھ گئے کہ یہ حدیث

[1] مشاش ابوساسان الخراسانی یہ ضحاک کے ہم وطن بھی تھے اور شاگرد بھی اور محدثین ان کو ثقہ لکھتے ہیں اس لئے ابوجناب الکوفی الکلبی جو غیر ثقہ متروک الحدیث مدلس تھے ان سے زیادہ یہ مشاش الخراسانی قابل اعتبار تھے۔

کیسی ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا کہ اختلاف اصحابی رحمۃ ایک ایسا مفہوم ہے کہ جو یبر کے سوا کبھی کسی نے اس مضمون کی کوئی حدیث کسی صحابی سے نہیں روایت کی اور نہ کسی حدیثیں گھڑنے والے کی یہ ہمت پڑی کہ اس مضمون کی کوئی حدیث گھڑ کر کسی محدث کی کتاب میں داخل کر دے۔

سلیمان شامی

جو یبر کی اس حدیث کا بھی قاضی حسین متوفی ۴۳۰ھ سے پہلے کبھی کسی نے نہ اپنی کسی کتاب میں ذکر کیا اور نہ سلیمان بن ابی کریمہ کے سوا اور کسی نے جو یبر سے اس حدیث کو لیا اور سلیمان بن ابی کریمہ شامی تھے اور اپنے اُستاد جو یبر کے پورے شاگرد تھے، یعنی یہ بھی ضعیف الحدیث و منکر الحدیث ہی تھے۔ ان کا ترجمہ ابن حجر نے لسان المیزان ج ۳ ص ۱۰۲ میں مفصل طور سے لکھ دیا ہے اور سلیمان بن ابی کریمہ کے بعد کا نام کسی نے لکھا ہی نہیں ہے کہ یہ معلوم ہو سکے کہ سلیمان بن ابی کریمہ سے کس نے سُنا؟ اور نہ سلیمان بن ابی کریمہ کا سال وفات کسی نے لکھا ہے مگر یہ دوسری صدی کے اواخر کے آدمی تھے۔ ممکن ہے کہ تیسری صدی کے اوائل میں ان کی وفات ہوئی ہو۔ اس لئے نہ بیہقی متوفی ۴۵۸ھ ان سے سُن سکتے تھے نہ طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اور نہ دیلمی متوفی ۵۰۹ھ۔ ممکن ہے کہ سلیمان بن ابی کریمہ کے بعد بھی کچھ نام ہوں جن کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا۔ اور واقعی سلیمان بن ابی کریمہ، جو یبر بن سعید اور ضحاک بن مزاحم کے نام معلوم کر لینے کے بعد سلیمان کے بعد کے راویوں کا حال جاننا ضروری بھی نہ رہا مگر دوسری اور تیسری صدی کے اختلاف پسند طبائع کو اس کی فکر تھی کہ کسی طرح جو یبر کی اس حدیث کو تقویت پہنچائی جائے تو وہ کوئی دوسری حدیث مہیا نہ کر سکے تو کم سے کم بعض تابعین کے اقوال ہی گھڑ لئے گئے۔ چنانچہ بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ سفیان نے افلح بن حمید متوفی ۱۵۸ھ سے انہوں نے قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ متوفی ۱۰۲ھ سے سُنا کہ انہوں نے (یعنی قاسم نے) کہا کہ

اختلاف اصحاب محمد رحمۃ لعباد اللہ۔ یعنی اصحاب محمد صلعم کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ قاسم بن محمد ایک تابعی ہیں۔ بیہقی اور سفیان ثوری کے درمیان تقریباً تین سو برس کا فاصلہ ہے اس لئے دونوں کے درمیان تین چار ناموں کی گنجائش ہے جب تک وہ تین چار نام نہ معلوم ہوں اس روایت کی حقیقت کس طرح معلوم ہو سکتی۔ درحقیقت یہ سفیان ثوری پر ایک بہتان ہے۔

پھر اسی طرح قتادہ متوفی ۱۱۷ھ سے ایک روایت مقاصد حسنہ میں سخاوی متوفی ۹۰۲ھ بلا حوالہ نام کتاب لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ فرماتے تھے کہ اگر اصحاب محمد صلعم آپس میں اختلاف نہ کرتے تو ہمیں اس کی خوشی نہ ہوتی کیونکہ اگر وہ لوگ باہم اختلاف نہ کرتے تو اتنی وسعتِ رخصت نہ ہوتی۔ یہاں بھی قتادہ اور سخاوی کے درمیان سات سو بچاسی برس کا فاصلہ ہے۔ دونوں کے درمیان کتنے راوی ہوں گے آپ اندازہ کر سکتے ہیں جب تک ہر ایک کی وثاقت معلوم نہ ہو، اس وقت تک اس روایت کے صدق و کذب کا حال کس طرح معلوم ہو سکتا ہے؟

سنن دارمی کی روایت

ہاں سنن دارمی میں ایک روایت اس قسم کی ہے جس کو دارمی نے یزید بن ہارون متوفی ۲۰۶ھ سے انہوں نے حماد بن سلمہ متوفی ۱۶۷ھ سے انہوں نے حمید الطویل متوفی ۱۴۲ھ سے سُنا کہ انہوں نے بیان کیا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے کسی نے کہا کہ کاش سب لوگ ایک بات پر مجتمع ہوتے۔ تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے کہا کہ لوگ اختلاف نہ کرتے یہ میرے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہے۔ پھر انہوں نے تمام شہروں میں حکم نامہ بھیج دیا کہ تمام لوگ فقہاء کے متفق علیہ قول کے مطابق فیصلے کیا کریں۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۱۵۱ مطبوعہ دمشق)

سنن دارمی کا درجہ عام محدثین کے نزدیک صحاح ستہ کے بعد ہے۔ بعضوں نے اس کو ابن ماجہ کے عوض میں رکھ کر صحاح ستہ میں داخل کیا ہے مگر عام محدثین نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ بہرحال جب بخاری و مسلم میں یارانِ طریقت نے من گھڑت حدیثیں رسول اللہ صلعم کی طرف

منسوب کر کے داخل کر دیں تو غریب ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن الفضل بن بہرام الدارمی متوفی ۲۵۵ھ کی کتاب سنن دارمی جس کو متعدد محدثین نے مسند دارمی لکھا ہے حالانکہ وہ مسند نہیں ہے (کیونکہ صحابہ کے ناموں سے اس کی ترتیب نہیں ہے بلکہ فقہی ابواب پر مشتمل ہے جس طرح بخاری و مسلم وغیرہ) یہ کیونکر لوگوں کی مداخلت سے محفوظ رہ سکتی تھی۔ اور یہ حدیث جو حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ کسی صحابی کا بھی نہیں صرف ایک تابعی کا قول ہے، اگر سنن دارمی میں داخل نہیں کی گئی ہے تو دارمی کے شیخ یزید بن ہارون کی کتابوں میں تو ضرور داخل کی گئی کیونکہ ان کا کاتب جس کا نام بھی ہارون تھا وہ ان کی حدیثوں میں اپنی طرف سے حدیثیں داخل کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۹ میں ہے کہ یہ اکثر اپنے مستملی یعنی کاتب سے کہا کرتے تھے کہ مجھ کو یہ خبر ہے کہ تو میری حدیثوں میں کچھ داخل کر دیا کرتا ہے تو تجھ سے جو کوشش اس قسم کی ہو سکے کر تا رہ اللہ تیری نگہبانی نہ کرے، میں ۲۳ ہزار حدیثیں زبانی یاد رکھتا ہوں۔

یہ تو انہوں نے اپنے مستملی یعنی کاتب سے صرف کہہ دیا تھا مگر ان کے حافظے کا یہ حال تھا کہ ابن حجر خود اسی تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۶۸ میں لکھتے ہیں کہ ربما اذا سئل عن حدیث لا یعرفہ فیامر جاریتہ فتحفظہ من کتابہ یعنی جب وہ کسی ایسی حدیث کے متعلق پوچھے گئے جس کو انہوں نے نہیں پہچانا (کہ یہ ان کی حدیث ہے) تو حکم دیتے تھے اپنی لونڈی کو، وہ ان کی کتاب دیکھ کر ان کو یاد دلا دیا کرتی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن حجر ان کے آغاز ترجمہ ہی میں ص ۳۶۷ میں لکھتے ہیں کہ کان قد عمی یعنی یہ نابینا ہو گئے تھے۔ اور خود ان کی بصیرت فی الحدیث کے متعلق اسی کتاب کے ص ۳۶۸ میں ابن حجر لکھتے ہیں کہ یحیی بن معین کہتے تھے کہ یزید لیس من اصحاب الحدیث لانہ لا یمیز ولا یبالی عمن روی۔ یعنی یزید بن ہارون حدیث جاننے والوں میں سے نہ تھے کیونکہ یہ تمیز نہیں کرتے تھے اور بے پروائی برتتے تھے کہ کس سے روایت کی ہے۔ تو خیال فرمائیے کہ خود بصیرت فی الحدیث میں بھی کمزور، آنکھوں

کی بصارت بھی ندارد۔ ان کا کاتب ایسا جو ان کی کتاب میں اپنی طرف سے خدا جانے کیا کیا داخل کر دیا کرتا تھا۔ اس پہ حافظہ ایسا کہ اس پر پورا اعتماد بھی نہیں۔ ورنہ ایسی کوئی حدیث جب پیش کی جاتی جس کو یہ اپنی حدیث کی حیثیت سے نہیں پہچانتے تھے تو اس سے انکار کر دیتے نہ کہ اپنی لونڈی سے کتاب منگوا کر پڑھواتے اور جب وہ کتاب منگوا کر پڑھواتے اور جب وہ کتاب کی عبارت پڑھ کر یاد دلاتی کہ آپ کی کتاب میں یوں لکھا ہوا ہے تو اس کو صحیح تسلیم کر کے روایت کرنے لگتے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کے کاتب کی داخل کردہ ہو۔ غرض یہ روایت اگر سنن دارمی میں داخل کردہ نہیں ہے تو یزید بن ہارون، ان کی کتاب اور ان کے کاتب کے حالات کی روشنی میں سو فی صدی قرینے کی رو سے یزید بن ہارون کی کتاب میں ان کے کاتب کی داخل کردہ ہے۔

اور ایک روایت حضرت سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ سے نقل کرتے ہیں کہ یحیی بن سعید نے کہا کہ "اہل علم وسعت پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ مفتی لوگ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ یہ ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے تو وہ اسی کو حرام کہتا ہے، اور نہ یہ اس پہ کوئی الزام رکھتا ہے نہ وہ اس پر" اس قول کا بھی وہی حال ہے کہ سخاوی اور لیث بن سعد کے درمیان سوا سات سو برس سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ دونوں کے درمیان چھ سات راویوں کے نام بتانا چاہئیں جب تک ان نامعلوم راویوں کی وثاقت معلوم نہ ہو، اس وقت تک اس روایت کی توثیق اور اس قول کی تصدیق کس طرح کی جا سکتی ہے؟

آخر میں خود سخاوی صاحب اس کا اعتراف فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے کہا کہ یہ مرا اصل کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ ایک بات ہے جو زبانوں پر مشہور ہو گئی ہے۔ لیجئے خود سخاوی صاحب نے اپنے شیخ کا فیصلہ اسی حدیث کے متعلق سنا دیا۔ اب بھی اگر کوئی اس کو حدیث رسول ہی کہتا رہے تو پھر اس سے خدا ہی سمجھے۔

ابنِ حاجب

اتنی طویل بحث وتمحیص سے یہ ثابت ہوگیا کہ اختلاف اصحابی رحمۃ کی حدیث (۱) جو یبر بن سعید نے گھڑی بھی اور بعض متاخرین نے اس کو اپنی اختلاف پسندی کے جذبے کے ماتحت اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے لیکن اختلاف امتی رحمۃ کا ذکر تو بعض متاخرین نے کیا ہے مگر اس کو صاف طور سے حدیث رسولؐ کہنے کی ہمت کسی کو نہ ہوئی۔ (۲) جامع صغیر میں جو حوالہ نصر مقدسی کی کتاب الحجۃ اور بیہقی کی کتاب الرسالۃ الاشعریہ کا دیا ہے اس کو بھی سخاوی نے واضح کر دیا کہ ان دونوں کتابوں میں بھی اختلاف اصحابی ہی ہے اختلاف امتی کا لفظ نہیں ہے۔ (۳) اسی طرح بیہقی کی کتاب المدخل میں اور دیلمی کی مسند الفردوس میں بھی اختلاف اصحابی ہی ہے۔ سبکی کی کتاب کا نام مذکور نہیں ورنہ اس کا بھی پتا لگایا جا سکتا۔ ان کی ساری تصنیفات کا مہیا کرنا اور سب کی ورق گردانی آسان نہیں۔ مگر قرینہ یہی بتاتا ہے کہ انہوں نے بھی اگر لکھا ہوگا تو اختلاف اصحابی ہی لکھا ہوگا۔ کسی کا نام واضح طور سے نہیں لیا گیا کہ اس شخص نے اختلاف امتی رحمۃ کو حدیث رسولؐ قرار دے کر اپنی کتاب میں لکھا ہے بجز ابن حاجب نحوی متوفی ۶۴۶ھ کے کہ انہوں نے اپنی کتاب "المختصر فی مباحث القیاس" میں ان لفظوں کے ساتھ لکھا ہے کہ اختلاف امتی رحمۃ للناس۔ پھر خود سخاوی مقاصد الحسنہ ص۱۲ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ وکثر السوال عنہ یعنی ابن حاجب نے جو یہ لکھ دیا تو اس پر ہر طرف سے سوالات کی بوچھار ہونے لگی۔ یعنی لوگ پوچھنے لگے کہ یہ ساتویں صدی میں نئی حدیثِ رسولؐ جو پہلے کسی کو کبھی نہیں ملی کہاں سے آگئی؟ مگر سخاوی نے یہ نہیں لکھا کہ آخر ابن حاجب یا ان کے طرف دار اختلاف پسند حضرات نے یا خود سخاوی نے لوگوں کے اس سوال کا کیا جواب دیا؟

پھر سخاوی لکھتے ہیں کہ اکثر محدثین کا گمان یہی ہے کہ "اس حدیث کی کوئی اصل

نہیں ہے" پھر لکھتے ہیں کہ" لیکن خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے اپنی کتاب غریب الحدیث میں استطراداً اس کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ" اس حدیث پر دو شخصوں نے اعتراض کیا ہے۔ پہلے ایک متعصب شخص ہیں اور دوسرے ملحد۔ اور وہ دونوں اسحاق الموصلی اور عمرو بن بحر الجاحظ ہیں اور ان دونوں نے کہا کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق کو عذاب ہونا چاہیئے۔ پھر خطابی مشغول ہوئے اس کلام کے رد کرنے میں" اتنا لکھ کر سخاوی خود لکھتے ہیں کہ ولم یقع فی کلامہ شفاء فی عزو الحدیث ولکنہ اشعر بان لہ اصل عندہ یعنی ان دونوں معترضوں کے جواب میں خطابی نے جو باتیں بنائیں تو ان کے کلام میں کوئی بات تشفی بخش اس حدیث کی نسبت نہ نکلی۔ لیکن انہوں نے اتنا بتا دیا کہ ان کے نزدیک اس حدیث کی کوئی اصل ہے" میں بھی کہتا ہوں کہ اس کی اصل ضرور کچھ نہ کچھ ہے مگر اس کی بنیاد صرف اختلاف پسندی کے ماتحت فقط وہم و گمان پر ہے۔ وما لہ من قرار جس کے لئے کوئی قرار و ثبات نہیں ہے۔ کمزور مدعیوں کا یہی دستور ہے کہ ان کے دعوے پر کوئی اعتراض کرے تو وہ اپنے دعوے کی دلیل دینے کے عوض معترض کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ یہاں بھی سخاوی نے یہی کیا ہے کہ ابن حاجب کے دعوے کی کوئی دلیل تو نہ دی مگر معترضین کو متعصب و ملحد کہہ کر سمجھے کہ یہی جواب ہوگیا۔

حقیقتِ حال

حقیقت یہ ہے کہ پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی میں عجمی منافقین و ملاحدہ نے دین میں طرح طرح کے اختلافات پیدا کر کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متضاد حدیثیں اور صحابہؓ کی طرف متضاد اقوال پیش کرتے رہنے کا ایک طوفان برپا کر رکھا تھا تو اس وقت اختلاف اصحابی رحمۃ ہی کے گھڑنے کی ضرورت تھی کہ صحابہؓ کا باہمی اختلاف جب رحمت ہے تو پھر خود رسولؐ جو رحمۃ للعالمین تھے، ان کی حدیثوں میں جو اختلافات ہیں وہ تو اور بھی رحمت واسعہ ہوں گے۔ کیونکہ جہاں تک دین میں اختلافات ہوں گے امت کو وہاں تک پاؤں پھیلانے

کے لئے وسیع میدان ملتا جائے گا۔ مگر جب زمانہ آگے بڑھا تو اب اختلافات صرف احادیث نبوی و اقوال صحابہ ہی تک محدود نہ رہے۔ اقوال تابعین و اتباع تابعین اور پھر ائمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کے فتاوے اور فیصلے بھی انہیں مختلف و متضاد حدیثوں اور قولوں کی بنیاد پہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اسلام جو فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا تھا ایسے بے لوث دین میں فرقہ بندیاں پیدا ہونے لگیں، ان فرقوں کے علماء نے دینی اختلافات کا ہر طرف ایک انبار لگا کر رکھ دیا تو اب صرف صحابہؓ کے اختلاف کو رحمت قرار دینے سے تو کام چلتا نظر نہ آیا۔ اس لئے دوسری صدی کے اواخر یا تیسری صدی کے اوائل میں "اصحابی" کے لفظ کو "امتی" کے لفظ سے بدل کر روایت کے سلسلے سے تو اشاعت کی ہمت نہ پڑی مگر صرف افواہی طور سے عوام میں اختلاف امتی رحمۃ کو آہستہ آہستہ پھیلایا جانے لگا۔ اختلافات عام ہو چکے تھے اس لئے لوگوں نے اس کو اپنے طریق کار کے لئے ایک سند سمجھتے ہوئے قبول کر لیا، اگرچہ یہ سند خود ان کو بلا سند ملی تھی، مگر تھی ان کے کام کی بات پھر کیوں نہ قبول کر لیتے، یہاں تک کہ سخاوی متوفی ۹۰۲ھ نے اس کو ایک افواہی حدیث قرار دے کر اپنی کتاب میں درج کر ہی دیا اور پھر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس کو اپنی جامع صغیر میں حدیث رسول ہی کی حیثیت سے داخل کر دیا یا کسی دوسرے نے اس کو جامع صغیر میں ٹھونس دیا۔

مختصر یہ ہے کہ اختلاف اصحابی رحمۃ والی حدیث جویبر بن سعید الکوفی کی من گھڑت ہے اور اختلاف امتی رحمۃ اسی جویبر والی حدیث پہ قیاس کر کے بعد والوں نے ایک قول بنا لیا اور حدیث کہہ کے اس کو مشہور کر دیا۔ کوئی اصل نہ اُس کی ہے نہ اِس کی۔ اور یہ دونوں قول سراسر گمراہ کن اور نص قرآنی کے خلاف ہیں۔

اتباع ہوا و نفس پرستی کا بہانہ

اس گمراہ کن، من گھڑت حدیث کو اختلاف پسند طبائع نے اپنی ہوا پرستی و اتباع نفس کے لئے

ایک بہانہ بنالیا ہے اور فرقہ بندی کے شاخ در شاخ خبیث درخت کی آبیاری انہیں وضعی روایتوں کے ناپاک پانی سے کرتے رہتے ہیں۔ کہتے یہ ہیں کہ صحابہؓ اور مجتہدین و علماء کے اختلافات سے اُمت کے لئے دین میں وسعت پیدا ہوگئی ہے اور چونکہ ان بزرگوں کے باہمی اختلافات کے تمام پہلو قرآن و سنت ہی سے مستنبط ہیں اس لئے ان باہم مختلف و متضاد آراء میں سے جس رائے پر عمل کیا گیا قرآن و سنت ہی پر عمل ہوا۔ قرآن و سنت میں اتنی معنوی وسعت ہے کہ ان تمام مختلف و متضاد آراء و احکام کی ان میں گنجائش ہے اور یہ گنجائش اسی لئے قرآن و سنت میں رکھی گئی ہے کہ امت کو اتباع احکام شرعی میں سہولت ہو اور اسی سہولت کو رحمت کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص ہر مسئلے میں مختلف راویوں پر نظر دوڑائے اور اپنے نفع، اپنے فائدے اور اپنی سہولت کو دیکھے جس میں اس کو فائدہ اور سہولت نظر آئے اسی پر عمل کرے۔ اگر اپنا نفع اور سہولت کسی مسئلے میں اس کو حضرت ابن عباسؓ یا امام ابوحنیفہؒ کی رائے میں معلوم ہو تو اس مسئلے میں وہ ابن عباسؓ یا امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کرے اور جس دوسرے مسئلے میں اس کو حضرت ابوہریرہؓ یا امام شافعیؒ کی رائے میں سہولت محسوس ہو اور اپنا نفع نظر آئے اس مسئلے میں حضرت ابوہریرہؓ یا امام شافعیؒ کی رائے پر عمل کرے۔ اُمت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ صحابہؓ یا ائمہ مجتہدین یا علمائے سلف کے باہمی اختلافات اور ہر ایک کے دلائل کو پیش نظر رکھ کر جس کی رائے کو کتاب اللہ سے قریب تر پائے اسی کو واجب العمل سمجھے اور باقی جتنی رائیں کتاب اللہ کے خلاف ہوں یا دُور تر ہوں ان سب کو متروک و منسوخ کر دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اللہ کی رحمت کو ضائع کرنا اور رد کرنا متصور ہوگا۔ اور دین میں جو وسعت قرآن و سُنت کی ربڑ والی خاصیت کے مطابق پیدا ہے اسے ختم کر کے شریعت کے چٹیل میدان کو ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر گھرے ہوئے صحن سے بدل دینا کہا جائے گا۔ اگر اس طرح تمام اختلافات مٹا دیئے گئے تو لوگوں کو اس کا موقع باقی نہ رہے گا کہ لوگ اتباع شریعت کا نام لے کر اپنی خواہش

اور اپنے نفس کا اتباع کریں۔ یعنی اگر اختلافات مٹ گئے تو پھر قرآن و سُنت کو اپنی خواہش کے تابع رکھنے کا موقع باقی نہ رہے گا بلکہ ہر مسلمان مجبور ہوگا کہ اپنی خواہش اور اپنے نفس کو قرآن و سُنت ہی کے تابع رکھے جس کے لئے ہمارے فرقہ پرست علماء کبھی تیار نہیں ہو سکتے۔

قرآن مبین اور اختلاف

سورۃ بقرہ میں فرمایا گیا ہے کہ کان الناس امۃ واحدۃ ط فبعث اللہ النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معھم الکتٰب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ ط وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتھم البینٰت بغیا بینھم ج فھدی اللہ الذین اٰمنوا لما اختلفوا فیہ من الحق باذنہ ط واللہ یھدی من یشاء الی صراط المستقیم o (البقرہ آیت : ۲۱۳) سارے انسان (دینی حیثیت سے) ایک ہی اُمت تھے (مگر ان لوگوں نے باہم دینی اختلافات پیدا کر ڈالے) تو اللہ نے (فرمانبرداروں کو) خوشخبری دینے والے اور (نافرمانوں کو نافرمانی کی سزا سے) ڈرانے والے نبی مبعوث فرمائے اور ان نبیوں کے ساتھ حقانیت (و صداقت) کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ وہ کتاب ان سب دینی باتوں کا فیصلہ کر دے جن میں لوگوں نے اختلاف پیدا کر رکھا تھا اور انہوں نے (کچھ یونہی) نہیں اختلاف پیدا کیا تھا (بلکہ) ان کے پاس علم (کے ذرائع و سائل) آچکے تھے اس کے بعد (بھی اس آئے ہوئے علم سے انہوں نے کچھ فائدہ نہیں اٹھایا اور اپنے اپنے اختلاف پر اڑے رہے) باہمی بغاوت کی وجہ سے۔ تو جو لوگ (واقعی سچے) ایماندار تھے اللہ نے انہیں ہدایت کر دی ان تمام دینی باتوں کی جن میں لوگوں نے اختلاف پیدا کر دیا تھا۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر لگا دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت آدمؑ جو روئے زمین پر تشریف لائے تو تعلیم الٰہی کے ماتحت اس وقت کی ضرورت کے مطابق دینی تعلیم بھی ان کو دے دی گئی تھی اور وہ اسی خداوندی تعلیم کے مطابق اپنی اولاد کی تعلیم فرماتے

رہے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کی اولاد اور اولاد در اولاد میں فرمانبردار و نافرمان ہر طرح کے لوگ پیدا ہوتے رہے اور الذین آمنوا و الذین کفروا دو قومیں ان کی نسل سے آخر ہو کر رہیں۔ الذین آمنوا من عباد اللہ الصالحین بھی تھے اور وہ بھی تھے جو خلطوا عملا صالحا و آخر سیئا یعنی پختہ کار صالحین بھی تھے اور ہم جیسے گنہگار مسلمان بھی۔ مگر گناہ کے مرتکب گناہ کو گناہ سمجھتے تھے، اس لئے کبھی نہ کبھی توبہ کر لیتے تھے۔ جس سے کوئی گناہ ہو بھی جاتا تھا وہ دوسری نیکیاں کرتا تھا اور ان گناہوں کی وجہ سے اس کے عقائد و عبادات بدل نہیں جاتے تھے، اور جس کو عقائد و عبادات ہی کے تسلیم کرنے سے انکار تھا وہ کھلا ہوا کافر تھا۔ ممکن ہے کہ اس وقت بھی کچھ لوگ منافق ہوں جو بظاہر مسلمان ہوں اور دل میں انکار کو چھپائے رکھتے ہوں۔ یا تذبذب میں مبتلا ہوں۔ مگر یہ صورت مسلمانوں کی جماعت میں پہلے نہ تھی کہ احکام دین ہی میں اختلاف پیدا کر کے شریعت کا نام لے کر اپنی خواہشوں کی تکمیل کرتے رہیں۔ مگر رفتہ رفتہ کچھ لوگوں نے ایسا بھی کرنا شروع کیا کہ جن باتوں کا حکم تھا جو چیزیں جائز و حلال تھیں ان پر خواہ مخواہ قیاس کر کر کے ان چیزوں کو بھی جائز و حلال قرار دینے لگے جن کے جواز و حلت کا کوئی حکم نہیں آیا تھا۔ یہاں تک کہ جو باتیں دین میں داخل نہ تھیں لگے ان کو بھی دین میں داخل کرنے، اور اس میں ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ بہت سے ممنوعات کے ارتکاب کے لئے شرعی حیلے تلاش کئے جانے لگے، مختلف جماعتیں بن گئیں، ہر جماعت کے متعدد رہنما اور امام کھڑے ہو گئے اور ایک نے دوسرے کے نکالے ہوئے کام کو غلط اور ناجائز کہنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ امۃ واحدۃ متعدد مختلف امتوں میں بٹ کر رہ گئی۔ اور وہ حضرت آدمؑ والی خالص تعلیم دنیا میں باقی نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے باہمی دینی اختلافات کے فیصلے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور ان پر اپنی کتاب اتاری تاکہ جو نبی جس کتاب کے ساتھ مبعوث ہوا ہے وہ اس کتاب کے مطابق لوگوں میں تمام دینی اختلافات کا فیصلہ کر دے

اور لوگوں کو دینی اختلافات میں مبتلا، فرقہ بندی کی دلدل میں پھنسا ہوا نہ چھوڑا جائے بلکہ پھر لوگ صرف مسلمان اور کفار دو ہی جماعتوں میں بٹ کر رہیں۔ جو ایمان نہ لائیں وہ کھلے ہوئے کافر رہیں اور جو ایمان لے آئیں وہ پھر ایک امت مسلمۂ واحدہ بن کر رہیں۔ باہمی دینی اختلافات اور فرقہ بندیوں میں مبتلا نہ رہیں اسی لئے جو نبی بھی آئے ان کا اہم ترین فریضہ یہی رہا کہ لوگوں کے دینی اختلافات کا فیصلہ کر کے ساری امت کو ایک دین کا متفقہ طور سے بلا اختلاف پابند بنا دیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تو انہوں نے فرمایا قد جئتکم بالحکمۃ ولابین لکم بعض الذی تختلفون فیہ ۔ میں تمہارے پاس حکمت (کی باتیں) لے کر آیا ہوں۔ (تاکہ حکمت کی تمہیں تعلیم کروں) اور بعض ان باتوں کو جن میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو، میں (ان کا قول فیصل) بیان کر دوں (زخرف ۶۳) مندرجہ بالا آیت میں " بعض الذی تختلفون فیہ " کا لفظ خاص طور پر قابل غور ہے۔ کونسی ...... بعض باتیں یعنی جن باتوں کا تعلق دین سے ہے محض دنیاوی اختلافات جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں مثلاً کاشت کاری کے طریقوں میں، فلسفہ طبیعیات کے بعض مسائل ہیں یا اور اسی قسم کی باتیں جن میں عقلی اختلافات ہوں ان کا فیصلہ نبی کے فرائض میں نہیں، ان باتوں میں نبی و رسول کی حیثیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم تم دنیاوی امور کے زیادہ جاننے والے ہو، کیونکہ ان باتوں کا تعلق تجربوں سے ہے اور نبی کو اپنے فرائض کی مصروفیت وانہماک کی وجہ سے ان خالص دنیاوی باتوں سے متعلق تجارب حاصل کرنے کے مواقع کم ملتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بعض اختلافات کا فیصلہ کر دینے کے لئے آئے ہیں۔

ہمارے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا گیا کہ وما انزلنا علیک الکتب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ۔ اور (اے رسول) ہم نے اس کتاب (قرآن مبین)

کو تم پر اسی لئے اتارا ہے کہ تم ان باتوں (کے قول فیصل) کو ان لوگوں کے سامنے بیان کر دو جن (دینی باتوں) میں انہوں نے باہمی اختلاف پیدا کر رکھا ہے۔ (نحل ۶۴)

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے یہ واضح ہو گیا کہ اختلاف دینی امور میں بغیاً بینھم باہمی بغاوت و سرکشی ہی کی وجہ سے پیدا ہوا کرتا ہے، بلکہ پیدا کیا جاتا ہے اور اسی بغض و عناد کی وجہ سے ان کا فیصلہ نہیں کیا جاتا اور ہر فریق اپنی رائے پر جو دوسرے سے مختلف ہوتی ہے قائم رہتا ہے، اور ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہو رہی ہے کہ دینی اختلافات کا فیصلہ کر کے ایک صحیح رائے پر ساری امت کا مجتمع ہونا ضروری اور فرض ہے اور یہ ایسا ضروری فریضہ ہے کہ اسی کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور اسی لئے ان پر کتابیں اتاری گئیں۔

تیسری بات یہ ثابت ہوئی کہ دینی اختلافات کے فیصلے کے لئے کتاب اللہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام بھی کتاب اللہ ہی کے مطابق لوگوں کے تمام دینی اختلافات کے فیصلے کرتے رہے اور ہر امت اپنے نبی کی تعلیم کے مطابق کتاب اللہ سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کرتی رہی جب تک وہ امت راہ راست پر رہی اور اپنی کتاب کو کھو نہیں بیٹھی، جب کوئی امت اپنے نبی پر نازل شدہ کتاب کھو بیٹھی، یا تحریف و تصحیف کر کے اس کو ضائع کر بیٹھی تو اللہ نے پھر دوسرا نبی بھیج کر دوسری کتاب بھیجی جو پہلی کتاب کی مصدق ہوئی۔ مگر بہر حال اختلافات کے فیصلے کتاب اللہ ہی کے مطابق انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیرو کرتے رہے۔ محض اپنی عقل و ذہانت پر نہ کسی نبی نے اعتماد کیا نہ ان کے سچے متبعین نے۔

چوتھی بات یہ کہ ہمارے نبی حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قرآن جو اترا تو آپ کو بھی لوگوں کے دینی اختلافات کے فیصلے قرآن ہی کے مطابق کرنے پر مامور کیا گیا اور یقیناً آپ نے اپنے پورے عہد نبوت میں جتنے فیصلے کئے وہ قرآن کے مطابق ہی کئے۔ اس لئے آپ کے بعد آپ کے خلفائے راشدین و اجلہ صحابہ میں سے جس کو کسی دو جماعتوں یا دو شخصوں کے درمیان

کسی دینی اختلاف کے فیصلے کا موقع ملا تو انہوں نے قرآن کے مطابق ہی فیصلہ کیا۔

پانچویں لیکن بہت ضروری بات مذکورہ بالا آیات سے نہیں تو قرآن مبین کے دوسرے مقامات سے یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں اس لئے آپ کی بعثت کے بعد نبیوں کی بعثت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تو جب کوئی نبی اب نہیں آنے کا تو پھر قرآن مجید کے بعد کوئی دوسری کتاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اُترنے کی۔ اسی لئے اس کتاب کی پوری حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا کہ نہ یہ کتاب گم ہو سکتی ہے نہ ضائع ہو سکتی ہے اور نہ اس میں کسی طرح کی تحریف و تصحیف کا امکان ہے۔ اور یہ سب باتیں قرآنی تصریحات ہی سے ثابت ہیں اور مشہور و معروف ہیں اس لئے ان کے دلائل قرآنی آیات سے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ عیاں را چہ بیاں۔ اور جس کو کسی قسم کی ضرورت محسوس ہو وہ میری کتاب "اعجاز القرآن"[1] کا مطالعہ کرے۔

ان پانچ باتوں کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی بعثت پورے عالم انسانیت کی طرف ہوئی ہے تو سارے انسانوں کے دینی اختلافات کے فیصلے قرآن مبین ہی کے مطابق ہونے چاہئیں تو سب سے پہلے تو یہی دیکھنا ہے کہ جن پر قرآن اُترا، جن کو اللہ نے قرآن اسی لئے دیا کہ لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ۔ تاکہ (اے رسول) تم (اس قرآن کے مطابق) لوگوں کے اختلافات (کے قول فیصل) کو بیان کر دو۔ (نحل ۶۴) تو آپ نے مشرکین و کفار اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ وغیرہم کے دینی اختلافات کے فیصلے قرآن مجید کے مطابق کس طرح فرمائے اور صحابہؓ کو قرآن سے فیصلے کرنے کی تعلیم کس طرح دی؟ آیا فیصلہ کرنے کے اصول آپ نے خود بنائے، یا یہ بھی قرآن مبین ہی میں بتا دیئے گئے ہیں؟ انہی قرآن کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کے اختلافات کے فیصلے کئے اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہؓ نے بھی۔

---

[1] یہ کتاب "اعجاز القرآن اور اختلاف قرأت" کے نام سے اس ادارہ سے شائع ہو چکی ہے۔

دین کے اجزاء

دین کے چار اجزاء ہیں عقائد[۱]، عبادات[۲]، اخلاق[۳] اور معاملات[۴]۔ اختلاف پیدا کرنے والوں نے ان چاروں باتوں میں اختلافات پیدا کئے ہیں۔ عقائد کا تعلق دل سے ہے اس لئے کہ وہ ایک باطنی چیز ہے، ان کا عملی ثبوت عبادات سے لیا جاتا ہے، اسی طرح اخلاق کا تعلق بھی دل سے ہے، ان کا عملی ثبوت معاملات کے ذریعے دیا جاتا ہے۔ منافقین جس طرح ظاہری عبادات میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہ کر اپنے متعلق یہ جھوٹا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں کہ ہم بھی مسلمانوں ہی جیسے عقائد رکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض خودغرض مگر عقلمند بداخلاق لوگ ظاہری حسن اخلاق برت کر عوام کو اپنے حسن اخلاق کا دھوکا دیا کرتے ہیں جس طرح بعض لوگ ووٹ لینے کے لئے جاڑوں میں فقراء و مساکین میں کمبل تقسیم کیا کرتے ہیں اور بعض حکیم و ڈاکٹر اپنا مطلب جمانے کی غرض سے شروع شروع غرباء میں مفت دوائیں تقسیم کیا کرتے ہیں۔ یا بعض تجار و اہل دوَل ہر جمعرات کو فقیروں کی ایک بھیڑ دروازے پر لگائے رکھتے ہیں اور سب کو ایک ایک یا دو دو پیسے تقسیم کیا کرتے ہیں جس سے کسی کا بھی کچھ کام نہیں چلتا، بلکہ لوگوں کو بھیک مانگنے کی عادت سی ہو جاتی ہے۔ وغیر ذالک۔ یعنی جب تک صحیح عبادات صحیح عقائد کے ساتھ نہ ہوں اور حسن معاملات حسن اخلاق کے ماتحت نہ ہوں اس وقت تک وہ عقائد و عبادات اور وہ اخلاق و معاملات صحیح معنوں میں دین اور عند اللہ معتبر نہیں ہوتے۔ اگرچہ عام مسلمانوں کو یہی لازم ہے کہ وہ ظاہری حالات پر حکم لگائیں اور جس کے عبادات صحیح دیکھیں اس کے عقائد کو بھی صحیح ہی سمجھیں جب تک وہ اپنے غلط عقائد کو خود ظاہر نہ کرے۔ اسی طرح کسی کے حسن معاملات کو دیکھ کر اس کو حسن اخلاق والا ہی سمجھیں اس پر ریاکاری یا خودغرضی کی تہمت نہ لگائیں۔

دین میں اختلاف

تو دین کی باتوں میں اختلاف کے یہ معنی ہیں کہ عقائد و عبادات دونوں میں یا کسی ایک میں اختلاف ہو۔ یا اصول اخلاق و اصول معاملات میں اختلاف ہو، یا دونوں میں اختلاف ہو، یا ان چاروں اجزا میں سے

کسی دو میں یا تین میں یا چاروں میں اختلاف پیدا ہو جائے۔

اختلاف ونزاع کا فرق

اختلاف کا تعلق ہے رائے سے، خیال سے، عندیہ سے، جس کے ماتحت عملی اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور ہوا کرتا ہے۔ مگر وہ عملی اختلاف دراصل اختلاف رائے کے ماتحت ہی ہوتا ہے۔ اگر اختلاف رائے نہ ہو تو پھر باہم اعمال بھی مختلف نہ ہوں۔

اور نزاع وتنازع کا تعلق معاملات سے ہے۔ نفسِ حقوق سے بھی تنازع کا تعلق نہیں، بلکہ ادائے حقوق سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔ نفس حقوق میں بھی اختلاف ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کس کا حق کس پر کیا ہے اور کتنا ہے، اس کا تعلق رائے سے ہے نہ کہ عمل سے۔ عمل تو کسی ایک رائے کو تسلیم کرنے کے بعد اس کے مطابق یا مخالف دیکھا جاتا ہے۔

عقائد وعبادات اور اصول اخلاق واصول معاملات کی تعلیم کتاب اللہ میں نہایت وضاحت سے فرمادی گئی ہے اس لئے ان باتوں میں کسی کو اختلاف پیدا کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ان باتوں میں جب اختلاف پیدا ہوتے ہیں تو بغیًا بینھم آپس کی بغاوت وعناد ہی سے پیدا ہوتے ہیں، خود غرضی اور اتباع نفس ہی کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں، اور ان اختلافات کے خبیث درختوں کو ضد اور ہٹ دھرمی کے ناپاک پانی سے سیراب رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ممکن کوشش سے ہر دینی اختلافات کا مٹانا ہر اس شخص کا فرض ہے جو اللہ، اللہ کے رسولؐ اور اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب دینی اختلافات ہی کے مٹانے کے لئے آئے اور ساری آسمانی کتابیں اسی لئے اتاری گئیں کہ ان کے ذریعے لوگوں کے دینی اختلافات دُور کئے جائیں۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم ترین فریضہ لوگوں کے دینی اختلافات کا مٹانا تھا، قرآن مبین اسی لئے اُتارا گیا کہ لوگوں کے دینی اختلافات کے فیصلے اس کتاب اللہ کے مطابق کر دیئے جائیں۔ پھر بھی اگر خود اس کتاب اللہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والے ہی آپس میں دینی اختلاف رکھیں اور اپنے باہمی اختلافات کا فیصلہ

قرآن مبین کے مطابق نہ کریں، بلکہ ہر فریق اپنے خیال پر جو دوسرے سے مختلف ہے اڑا رہے تو یہ فرقہ پرست و اختلاف پسند طبائع کی اپنی بدقسمتی ہے نہ اس میں قرآن کا کوئی قصور ہے نہ اسلام کا۔

اختلاف کے فیصلہ کا قرآنی اصول

قرآن مبین نے صاف بتا دیا کہ وما اختلفتم فیہ من شئ فحکمہ الی اللہ (اے انسانو!) تم (دین کی) کسی بات کے متعلق باہم اختلاف میں پڑ گئے تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (رجوع) ہوگا۔ (سورۂ شوریٰ ۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔ لوگوں کے درمیان ان کے جھگڑوں کا ان کے اختلافات کا فیصلہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق کرو۔ اور اس سے ایک ہی آیت پہلے یہ بھی فرما دیا ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون (مائدہ آیت ۴۷)۔ اور اس سے پہلی آیت میں ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون (مائدہ آیت ۴۵)۔ اور اس سے پہلی آیت میں ہے، ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (سورۂ مائدہ آیت ۴۴) یعنی جو لوگ باہمی اختلافات کا فیصلہ اللہ کی اُتاری ہوئی کتاب کے مطابق نہ کریں وہ لوگ فاسق، وہی لوگ ظالم، اور وہی لوگ کافر ہیں۔ اس لئے متعدد جماعتوں کا یا متعدد اشخاص کا اپنے اپنے اختلاف پر قائم رہنا اور باہمی اختلافات کا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر کے ایک فیصلے پر نہ پہنچنا، اس فریق کو جو کتاب اللہ کے فیصلے سے گریز کرے یا ضد ہٹ دھرمی کر کے آیات کی غلط تاویلیں اپنی بات کی پچ کے لئے کرتا رہے اور قرآن کے صحیح فیصلے کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے وہ یقیناً فاسق ہے، ظالم ہے اور آخر کفر کی حد تک پہنچ کر رہے گا۔

سورۂ شوریٰ کے دوسرے رکوع کی آیت جو اوپر لکھی گئی اس میں جو حکمہ الی اللہ فرمایا گیا ہے یعنی فرمایا گیا کہ تمہارے ہر دینی اختلاف کا فیصلہ چاہے وہ اختلاف عقائد سے متعلق ہو یا عبادات سے متعلق، اصولِ اخلاق کے متعلق ہوں یا اصول معاملات کے متعلق۔ اس کا فیصلہ بہرحال اللہ کی طرف راجع ہو کر رہے گا۔ اگر تم نے اپنی ذمہ داری خود محسوس کر لی

اور اپنے باہمی دینی اختلافات کو اللہ کی طرف یعنی اللہ کی کتاب کی طرف خود رضاکارانہً پیش کر دیا اور کتاب اللہ کے فیصلے پر تم سب کے سب بلا اختلاف انشراح قلب کے ساتھ بکشادہ پیشانی متفق و متحد ہو گئے تو تم لوگ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے، اور اس رجوع الی اللہ کے برکات تمہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ مل کر رہیں گے۔ اور اگر تم سبھوں نے یا تم میں سے بعض فریق نے ہٹ دھرمی کی اور اپنے باہمی اختلافات کو کتاب اللہ کے سامنے پیش نہیں کیا یا پیش تو کیا مگر قرآنی آیات کی تاویلیں اپنے منشا کے مطابق کھینچ تان کر کرنے لگے اور اپنے غلط اختلاف پر اڑے رہے تو دنیا میں وہ ایسا کر لیں مگر آخرت میں اللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ فیما کنتم فیہ تختلفون ۔ جن باتوں میں تم یہاں اختلاف کر رہے ہو، قیامت کے دن اللہ خود ان باتوں میں تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ (سورۂ حج آیت ۶۹) اس دن پوری طرح ہر فریق کو معلوم ہو جائے گا کہ کون واقعی کتاب اللہ کا اتباع کر رہا تھا اور کون کتاب اللہ کو اپنے منشاء کا تابع بنانا چاہتا تھا۔ کون اللہ تعالیٰ کی طرف حقیقتہً دل سے رجوع تھا اور کون زبان سے تو اللہ کا نام لیتا تھا مگر درحقیقت وہ کسی غیر اللہ کی طرف دل سے رجوع تھا۔ مختصر یہ ہے کہ دینی اختلافات بہرحال اللہ ہی کی طرف رجوع ہو کر رہیں گے۔ اگر اختلاف کرنے والوں نے دنیا میں خود اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے باہمی اختلافات کو رجوع نہیں کیا تو قیامت کے دن وہ سارے اختلافات خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر رہیں گے تو جو لوگ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہاں کی باز پرس سے ڈرتے ہیں، ان لوگوں کا فرض ہے کہ دنیا ہی میں اپنے باہمی دینی اختلافات اللہ کے سامنے یعنی کتاب اللہ کے سامنے پیش کر کے ان سارے اختلافات کے فیصلے کتاب اللہ کے مطابق کر لیں اور جو فیصلہ کتاب اللہ کا ہو اسی پر پوری اُمت متفق ہو جائے اور ہرگز ہرگز باہمی اختلاف کو باقی نہ رکھیں، ورنہ پھر قیامت کے فیصلے سے ڈریں ۔

اتنی تصریح سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی کہ مسلمانوں کا باہمی دینی اختلاف ان کے لئے ایک زبردست لعنت ہے اور اس لعنت کے طوق کو انہیں جلد سے جلد اپنی گردنوں سے اُتار

پھینکنا چاہئے۔

صحابہؓ یا ائمہ مجتہدین کے مختلف فتوے

اگر صحابہؓ یا ائمہ مجتہدین نے کسی ایک مسئلے میں مختلف فتوے دیئے ہیں تو ان کی خبریں ہم لوگوں تک کسی قطعی ذریعے سے نہیں پہنچی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض فتووں کی خبر مخالفین کی مشہور کی ہوئی ہو، اور وہ درحقیقت ان بزرگوں پر تہمت ہو، اور بالفرض وہ خبریں صحیح بھی ہوں تو بعد والوں کا یہ فرض ہے کہ ان مختلف فتووں کو کتاب اللہ کی روشنی میں دیکھیں جو فتوے کتاب اللہ کے موافق یا قریب تر ہوں بس صرف اسی ایک کو صحیح سمجھیں اور باقی فتووں کو ان بزرگوں کی خطائے اجتہادی سمجھیں اور ان پر کبھی عمل نہ کریں بلکہ ان سب کو متروک قرار دیں۔ کیونکہ جس اجتہاد کا غلط اور خطا ہونا ثابت ہو جائے اس اجتہاد پر عمل کرنا کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کی خطا ثابت نہیں ہوئی تھی، لوگ نادانستہ اس پر عمل کرتے رہے وہ معاف ہے مگر جب اس کی خطا ثابت ہوگئی تو پھر طریق صواب کے ہوتے طریق خطا پر چلنا کوئی عقل سلیم قبول نہیں کر سکتی۔

تنازع

تنازع کے معنی یہ ہیں کہ حقوق یا معاملات میں جھگڑا دو شخصوں یا دو جماعتوں کے درمیان ہو، چاہے کسی ایک چیز کے متعلق ایک شخص کہے کہ یہ چیز ہماری ہے اور دوسرا کہے کہ تمہاری نہیں، ہماری ہے۔ چاہے ایک شخص دوسرے پر کوئی ذمہ داری عائد کرے کہ دینی حیثیت سے تم فلاں بات کے ذمہ دار ہو۔ اور وہ دوسرا اس ذمہ داری کا منکر ہو۔ وہ کہتا ہو کہ مجھ پر شرعاً یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ایک شخص کہے کہ شرعاً تم پر ہمارا یہ حق ہے، دوسرا کہے تمہارا یہ حق مجھ پر شرعاً نہیں ہے۔ تو اس قسم کے جھگڑوں کے متعلق فرمایا گیا کہ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ و رسولہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر۔ اگر کسی چیز کے بارے میں تم لوگ آپس میں جھگڑو تو اس جھگڑے کو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش کرو۔ اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ (النساء آیت ۵۹)

دیکھئے۔ اختلاف والی آیت وما اختلفتم فیہ من شئی فحکمہ الی اللہ (شوریٰ آیت ۱۰) میں اور اس تنازع والی آیت میں دو باتوں کا صاف فرق رکھا گیا ہے۔ اختلاف والی آیت میں تنہا اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام پاک آیا ہے اور تنازع والی آیت میں اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے بعد رسول ﷺ کا بھی ذکر موجود ہے۔ ایک تو یہ فرق نمایاں ہے، دوسرا فرق یہ ہے کہ اختلاف کے متعلق فرمایا گیا کہ فحکمہ الی اللہ یعنی اختلاف کا فیصلہ ایسا نہیں ہے جو کسی وجہ سے رُک جائے یا اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کسی کو یہ حق بھی حاصل نہیں ہے کہ کسی دوسرے کی خاطر سے یا دباؤ سے کسی دینی رائے سے دست بردار ہو جائے، بغیر اس کے کہ اس پہ اس کی رائے کی غلطی واضح ہو گئی ہو۔ یعنی اپنی رائے کو صحیح سمجھتے ہوئے بھی بغیر کسی دلیل وحجت کے صرف کسی کو خوش کرنے کے لئے یا اس کے ڈر سے اپنی رائے کو بدل دینا اور اپنے صحیح خیال سے پھر جانا جائز نہیں، البتہ دلائل سے اپنی رائے کی غلطی جس پر ثابت ہو جائے، اس کا یہ فرض ضرور ہے کہ وہ اپنی رائے بدل دے اور فریق کے دلائل سے مطمئن ہو جانے کے بعد اختلاف سے دست بردار ہو جائے، تو اس صورت میں تو اختلاف ہی باقی نہ رہا، اور جب اختلاف باقی نہ رہا تو پھر فیصلہ کس چیز کا ہو گا؟ مگر جب تک فریق کے دلائل سے دل مطمئن نہ ہو اور اپنی رائے کی غلطی یا ضعف محسوس نہ ہونے لگے اس وقت تک صرف کسی کو خوش کرنے کے لئے یا کسی ڈر سے اپنے خیال کو بدل دینا اور اختلاف سے دست ہو جانا جائز نہیں۔ البتہ اگر دو رایوں میں سے ایک رائے منشائے احتیاط کے مطابق ہے یا دونوں رایوں میں سے ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی ظاہر وجہ دلائل کی رو سے تو نہیں ہے مگر امت کی اکثریت ایک رائے کو پسند کرتی ہے تو افتراق واختلاف جماعت کو مٹانے کے لئے اگر اُمت کی اقلیت اپنی رائے سے دست بردار ہو جائے تو یہ ناجائز نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے اور مستحسن ہی نہیں واجب وفرض بھی اس کو کہہ سکتے ہیں کیونکہ اُمت کو افتراق سے بچانا سب سے اہم جماعتی فریضہ ہے۔ بشرطیکہ دلائل میں اقلیت واکثریت دونوں کی رائیں برابر ہوں۔ اور ایک رائے کو دوسری رائے پر ترجیح دینے کی اور کوئی وجہ نہ ہو۔

مگر تنازع والی آیت میں حکم ہے تنازع کے فریقین کو کہ فردوہ الی اللہ و رسولہ تم اپنے تنازع کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے سامنے پیش کرو۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم دونوں آپس کے اس تنازع کو خود ایثار و رواداری کر کے دُور نہیں کر سکتے اور اس کو فیصلے کے لئے کسی کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو تو کسی دوسرے کے سامنے پیش نہ کرو۔ اللہ یعنی اللہ کی کتاب ہی کے سامنے پیش کرو۔ مگر چونکہ حقوق و معاملات کے اصول ہی کتاب اللہ میں بتائے گئے ہیں، ہر طرح کے جزئی مسائل اور جزئی تنازع کا فیصلہ صریح کتاب اللہ کا کام نہیں کہ بیان کرے، اس لئے اگر رسولؐ موجود ہیں تو ان کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ کتاب اللہ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق تمہارے جزئی جھگڑوں کا فیصلہ کر دیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جب آپس کے حقوق و معاملات والے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو سب سے پہلے دیکھو کہ قرآن میں جو اصول حقوق و معاملات کے بتائے گئے ہیں ان میں سے کس اصل کی تحت میں یہ زیر غور جھگڑا آتا ہے۔ اور قرآن کی بیان کردہ اصل کی رو سے اس جھگڑے کا کیا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر قرآن کی بتائی ہوئی کوئی اصل ایسی تمہارے ذہن میں نہ آئے جس کو زیر نظر جھگڑے پر منطبق کیا جا سکے، اور اس کی رو سے اس جھگڑے کا فیصلہ کیا جا سکے، تو تم یہ دیکھو کہ اس قسم کا کوئی جھگڑا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ کے سامنے پیش ہوا تھا یا نہیں؟ اگر اس کا پتہ کسی طرح مل جائے کہ اسی طرح کا کوئی تنازع عہد نبوی میں بھی بعض صحابہؓ کے درمیان ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنازع کا یہ فیصلہ فرمایا تھا، تو اگر یہ روایت صحیح ہو گی تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ معلوم کر لینے کے بعد آپ کے ذہن میں وہ آیت بھی ضرور آ جائے گی جس کی روشنی میں آپ نے وہ فیصلہ فرمایا تھا، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فیصلہ سننے کے بعد بھی باوجود غور و تدبر کے ایسی کوئی آیت نہ ملے جس سے اس فیصلے کا تعلق ثابت ہو، مگر آپ کی عقل سلیم اس فیصلے کو حق بجانب اور مبنی بر انصاف تسلیم کر رہی ہو، اور وہ فیصلہ قرآن مبین

کی کسی آیت کے خلاف نہ ہو، توآپ اس کو اپنی قوتِ فکریہ کی کمزوری، قرآنی آیات پر اپنا عدم عبور، اور اپنے غور و تدبر کی خامی سمجھئے۔ کیونکہ حقوق و معاملات انسانی کے متعلق کوئی ایسا جزئیہ نہیں ہو سکتا جس کے متعلق قرآن مبین بالکل خموش ہو، کسی نہ کسی اصولی کُلیہ کے ماتحت ہر جزئیہ آکر رہے گا۔ مثلاً ایک مُسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ اگر ایک شخص کسی مدد کا محتاج ہو تو دوسرا اس کی ہر ممکن مدد کرے۔ مگر یہ مدد نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ہو گناہ اور نافرمانی و سرکشی کے کاموں میں نہ ہو۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ تعاونوا علی البر و التقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ (المائدہ آیت ۲) نیکوکاری اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ و سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اتفاقاً ایک جلسے میں مَیں تقریر کر رہا تھا، اثنائے تقریر میں مَیں نے کہا کہ روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد کرنے کو تو ہم سمجھتے ہیں کہ ظالم کو اس پر ظلم نہ کرنے دیں گے مظلوم کی طرف سے مدافعت کریں گے، مگر ظالم کی کس طرح مدد کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ ظالم کی مدد یہی ہے کہ تم اس کو ظلم سے باز رکھو، اس کو ظلم کرنے نہ دو۔ اس جلسے میں ابوالمحاسن مولوی سجاد صاحب نائب امیر شریعت صوبہ بہار اور جمعیۃ العلمائے ہند کے روح رواں (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) بھی اتفاق سے موجود تھے۔ انہوں نے درمیانِ تقریر کھڑے ہو کر مجھ سے پوچھا کہ یہ حدیث قرآن کی کس آیت کے مطابق ہے؟ اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی، اور فوراً مذکورہ بالا آیت میرے ذہن میں آئی۔ میں نے وہ آیت پڑھی کہا کہ حکم ہے تعاونوا علی البر والتقوی مظلوم کی مدد، اس کو ظالم کے ظلم سے بچانا تعاون علی البر ہے اور ظالم کی مدد یعنی اس کو ظلم سے باز رکھنا، ظلم کرنے نہ دینا تعاون علی التقوی ہے۔ بے ساختہ ان کے منہ سے "ماشاء اللہ" کا لفظ نکل آیا۔ غرض کوئی حدیث صحیح، کوئی فیصلہ نبوی جو واقعی فیصلہ نبوی ہو ایسا نہیں ہو سکتا جس کی بنیاد قرآنی ہدایت پر نہ ہو۔

اور اگر کیسی ہی قوی روایت سے کوئی فیصلہ نبوی حدیث کی ساری کتابوں میں بالاتفاق

مروی ہو مگر وہ قرآن مبین کی تصریح کے خلاف پڑتا ہو۔ یا قرآنی تصریح کے مغائر ہو تو وہ روایت یقیناً غلط ہے، ہرگز ہرگز اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں۔ اس لئے ایسے موقع پر قرانی تصریح کے مطابق تنازع کا فیصلہ کرنا چاہیئے اور جو فیصلہ قرآن کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت و افترا یقین کر کے، اس کی مطلق پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ جو لوگ ایسے مواقع میں قرانی آیات کی غلط تاویل کرتے ہیں یا قرآنی آیات کو منسوخ قرار دیتے ہیں، یا اختلاف قرأت کا سہارا لے کر قرأت متواترہ صحیحہ کے خلاف مطلب لے کر اس موضوع و مکذوب روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل قرآن کے دشمن اور منکر قرآن ہیں۔

اور اگر کسی تنازع کے متعلق نہ قرآن مبین کی کوئی آیت ذہن میں آئے، نہ کوئی فیصلہ نبوی کی روایت صحیح ملے، تو پھر خلفائے راشدین اور اجلہ صحابہؓ کے فیصلوں پر نظر دوڑانی چاہیئے۔ اگر اس قسم کے تنازع کے متعلق صحابہؓ کا کوئی فیصلہ یا متعدد فیصلے، سب کے سب ایک ہی جیسے یا باہم مختلف مل جائیں تو جو فیصلہ صحیح ہوگا وہ یقیناً دیکھنے کے ساتھ ہی اس آیت کو یاد دلائے گا جس آیت کی روشنی میں وہ فیصلہ دیا گیا تھا۔ اور اگر کوئی فیصلہ ایسا ہو جو عقل سلیم و عدل و انصاف کے تو مطابق ہو مگر اس کا پتا نہ ملے کہ قرآن کی کس آیت کی روشنی اس پر پڑتی ہے تو اس کو اپنی کم علمی و تنگی نظر یا کمزوری غور و تدبر سمجھنا چاہیئے۔ اگر کافی غور و تدبر سے کام لیا جائے گا تو کوئی نہ کوئی قرآنی آیت ضرور ایسی مل جائے گی جس کی روشنی میں وہ فیصلہ دیا گیا ہوگا۔ کیونکہ کوئی ایسی بات جو دین سے متعلق ہو ایسی نہیں ہو سکتی جو قرآن سے مستنبط نہ ہو سکے۔ کسی تنازع کا ایسا فیصلہ جو عقل سلیم کے مطابق اور مبنی بر عدل و انصاف ہو ایسا نہیں ہو سکتا جو قرآن مبین کے کسی اصولی کلیہ کے ماتحت نہ آتا ہو اور جس کی طرف قرآن رہنمائی نہ کر رہا ہو۔

اور اگر متعدد صحابہؓ کے مختلف فتوے، مختلف فیصلے ایک ہی قسم کے تنازع کے متعلق ملیں اور کسی کے فیصلے کے متعلق یہ پتا نہ ملے کہ اس کا تعلق کسی آیت قرآنیہ سے ہے؟ اور نہ

کوئی فیصلہ نبوی کسی کی تائید میں ملے اور ان میں سے کوئی فیصلہ قرآن کے خلاف بھی نہ معلوم ہو، ایسی صورت میں ان تمام فیصلوں کو پیش نظر رکھ کر غور کرنا لازم ہوگا کہ ان میں سے کون سا فیصلہ قرآن سے قریب تر ہے، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ کون سا فیصلہ عقل سلیم سے زیادہ قریب تھا اور زیادہ مبنی بر عدل و انصاف نظر آتا ہے؟ اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ منشائے احتیاط سے کون قریب تر ہے؟ اگر ان میں بھی سب برابر ہوں تو مقتضائے ماحول و مقتضائے زمانہ کے جو قریب تر ہو اسی کو دوسرے فیصلوں پر ترجیح دی جائے گی۔ لیکن بہر حال کسی تنازعہ کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے فیصلے کے متعلق قرآن مبین بالکل خاموش ہو اور کوئی ہدایت کسی طرح سے بھی، کسی قاعدہ کلیہ کے ماتحت بھی نہ دیتا ہو، ایسا وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو قرآن مبین کا بنگاہ غور مطالعہ نہیں کرتے، اور اس کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کسی ایک مسئلے کے متعلق صحابہؓ کے مختلف فتوے کبھی نہیں ہو سکے، صحابہؓ کے باہمی اختلافات کی روایتیں دراصل ملاحدۂ عجم و منافقین کی من گھڑت ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں مگر اختلاف پسند فرقہ پرست طبائع نے ان من گھڑت روایتوں کو خوب خوب اچھالا ہے۔ البتہ زمانہ وسعت میں سخت گیری اور زمانہ تنگی میں چشم پوشی سے کام لینے کی ضرورتیں پڑی ہوں اس وجہ سے اختلاف ماحول کے مطابق مختلف جگہ یا مختلف زمانے میں ایک ہی صورت مسئلہ میں متعدد صحابہؓ نے باہم مختلف فتوے دیئے ہوں تو یہ ممکن ضرور ہے، مگر ایسے فتوے اسی ماحول اور اسی زمانے تک کے لئے ہوں گے، دوسرے ماحول اور دوسرے زمانے میں جو اس پہلے ماحول اور اس پہلے زمانے سے مختلف ہوں ان پہلے فتووں پر عمل کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔

مختصر یہ ہے کہ اصل قانون کتاب اللہ قرآن مجید ہے۔ سنت نبوی و سنت خلفائے راشدین و سنت صحابہ کی حیثیت نظائر کی ہے۔ قانون کا صحیح منشا سمجھنے کے لئے نظائر کا دیکھنا بے شک ضروری ہے مگر وہیں جہاں قانون میں قواعد کلیہ بیان کئے گئے ہوں اور نظائر میں جزئیات کی تصریحیں ملیں۔ اور جہاں قانون صاف اور واضح الفاظ میں ہو وہاں نظائر کی کوئی ضرورت نہیں۔

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

اقتباس

امام حافظ جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن ابن الجوزی البغدادی (م ۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں بہتر گمراہ فرقوں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہے۔ اس مضمون کی مناسبت سے یہ جائزہ اس لائق ہے کہ افادۂ عامہ کے لئے اسے ذہنوں میں دوبارہ تازہ کیا جائے۔ اس کے پڑھنے سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ اختلاف اُمت نے اس دین مبین کے ماننے والوں کو کتنے دھوکے دیئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی شان قدرت اور اتمام رحمت اس دین اسلام پر یہ ہے کہ ان گمراہ فرقوں کے باوجود اتنی کثرت سے شاخیں ہونے کے سوادِ اعظم فقط ایک فریق ہی رہا ہے لیکن دین حق کے مقابلہ میں ان بدعتی فرقوں کا تناسب کروڑ میں لاکھ یعنی ایک فی صد سے زیادہ نہیں ہوتا اور وہ بھی متواتر نہیں رہتا بلکہ دو تین صدی کے بعد ان فرقوں میں سے بہت سے فرقے کالعدم ہی ہو جاتے ہیں۔ (ادارہ)

امام ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ ان بدعتی فرقوں میں سے فرقہ حروریہ کی بارہ[12] شاخیں ہیں (ہر ایک خارجی فرقہ کا عجب مختلف گمراہ اعتقاد ہے) چنانچہ شاخ اوّل[1] ازرقیہ ہے (اس کا بانی ابو راشد نافع بن ازرق خارجی تھا) یہ فرقہ زعم رکھتا تھا کہ اس کو تو کوئی آدمی مومن نہیں دکھائی دیتا سوائے اس شخص کے جو اُس فرقہ کے قول پر ہو۔ انہوں نے اہل قبلہ کو کافر قرار دیا۔ (اس زمانہ میں ایک جماعت صحابہؓ و بکثرت اکابر تابعین کی موجودگی کے باوجود اس ظالم گمراہ فرقہ کا قول دیکھو) شاخ دوم[2] اباضیہ ہے (اس کا بانی عبد اللہ بن اباض تھا) جس کا قول یہ تھا کہ جو کوئی ہمارے کہنے پر ہو وہ تو مومن ہے اور جو ہم سے منہ پھیرے وہ منافق ہے (نہ مومن ہے نہ کافر ہے) شاخ سوم[3] ثعلبیہ ہے (اس کا بانی ثعلبہ بن مشکان تھا) جس گمراہ فرقہ کا اعتقاد یہ تھا کہ خدا نے نہ کچھ جاری کیا اور نہ کچھ تقدیر میں مقدر کیا۔

فائدہ: خارجی فرقہ حضرت امیر المومنین علیؓ اور آپ کے اصحابؓ کو جن میں مہاجرینؓ و انصارؓ

واہل بدر و بیعۃ الرضوانؓ وغیرہ بکثرت شامل تھے۔ سب کو کافر کہتا تھا۔ تو اس فرقہ سے کہا گیا کہ ابھی آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات پائے چالیس برس نہیں گذرے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طرح سے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ اور یہ اصحاب رضی اللہ عنہم آپ کے اکابر مقرب صحابہؓ میں سے ہیں۔ یہ سب زمانہ تواتر سے جانتا ہے۔ کیا تم انکار کر سکتے ہو؟ خارجیوں نے کہا کہ بے شک یہ تو سب ہی جانتے ہیں اور یہ بات آفتاب کی طرح روشن ہے ہم اس سے کیونکر انکار کریں گے۔ تو کہا گیا کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو مؤمنین صادقین اور مؤمنون حقاً اور مفلحون فرمایا ہے۔ تو یہ اصحاب کبارؓ سب سے پہلے اس صفت میں داخل ہو گئے۔ خارجی فرقہ نے کہا کہ ہاں اس وقت بے شک داخل ہو گئے تھے۔ پھر اس کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ تو بے شک اسی طریقہ پر رہے لیکن عثمانؓ و علیؓ نے ہماری رائے میں وہ طریقہ بدلا تو اس صفت سے خارج ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے مطابق ان لوگوں کو جنتی کہا تھا۔ پھر جب وہ حال نہ رہا تو سب باتیں جاتی رہیں۔ تب خارجی فرقہ کو جواب دیا گیا کہ یہ تم نے بڑی غلطی کھائی کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا جنتی ہونا مقدر کیا تھا تو قضائے مقدر پوری ہو گئی۔ اب اس میں تغیر کیونکر ممکن ہے۔ خارجی نے کہا کہ ہم اپنے نزدیک ضرور جانتے ہیں کہ یہ لوگ کافر ہو گئے۔ اور ہم یہ نہیں مانیں گے کہ خدا نے کچھ مقدر کیا ہے۔ بلکہ تقدیر کچھ چیز نہیں ہے۔ و لیکن جو کوئی جیسا کرے ویسا ہوتا جاوے گا اور تقدیر ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ مترجم کہتا ہے کہ دیکھو اس بدبخت فرقہ نے متواتر اعتقاد کو چھوڑ کر کفر اختیار کرنا منظور کر لیا اور وہ عداوت جو اکابر اصحاب رضی اللہ عنہم سے اُس کے جی میں بیٹھ گئی تھی وہ نہ چھوڑی۔ یہی حال روافض وغیرہ کا ہے۔ نعوذ باللہ من الضلال۔

شاخ چہارم حازمیہ (اس کا بانی حازم بن علی تھا) اُن کا یہ قول ہے کہ ہم نہیں جان سکتے کہ ایمان کیا چیز ہے اور مخلوق بیچارے سب معذور ہیں (اُن کو معاف ہے جب کہ ایمان پہچاننا محال ہے)۔

شاخ پنجم خلفیہ (اس کا بانی خلف خارجی تھا) نے یہ قول نکالا کہ جس کسی نے جہاد چھوڑا وہ کافر ہے۔ چاہے مرد ہو یا عورت ہو۔ شاخ ششم کوزیہ نے نکالا کہ کسی کو کسی کا چھونا روا نہیں ہے کیونکہ ہم کو پاک و نجس کی شناخت واقعی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور جب تک ہمارے سامنے کوئی نہا کر توبہ نہ کرے تب تک اُس کے ساتھ کھانا جائز نہیں ہے۔

فائدہ: دیکھو اس پاکیزگی کے مکر سے کس طرح شیطان نے اس احمق فرقہ کو دھوکا دیا جس سے لوگوں میں بے انتہا پھوٹ و جدائی پڑ جاوے۔ حالانکہ شرع میں باہم میل جول و اتفاق کی بہت تاکید رکھی گئی ہے۔

شاخ ہفتم کنز یہ کا یہ قول ہے کہ کسی کو کچھ مال دینا حلال نہیں ہے کیونکہ شاید شخص اس مال کے پانے کا مستحق نہ ہو (تو غیر مستحق کو دینا ظلم ہوگا۔ تو اس گناہ سے کفر ہو جائے گا) بلکہ واجب یہ ہے کہ مال کو خزانہ کر کے زمین میں دفن کر دے۔ پھر جب قطعی یقینی دلیل سے کوئی شخص سب سے زیادہ مستحق معلوم ہو تو اس کو دے (پھر جو کوئی اسی طرح دوسرے درجہ کا مستحق ہو اُس کو دے وعلیٰ ہذا القیاس یعنی اس مکر سے کبھی زکوٰۃ دینا نہ پڑے) شاخ ہشتم شمراخیہ۔ اس خبیث فرقہ کا قول ہے کہ اجنبی عورتوں کو چھونے و مساس کرنے میں کچھ ڈر نہیں ہے اس لئے کہ عورتیں تو ریاحین بنائی گئی ہیں (ریاحین کی خوشبو سونگھنا اور چھونا روا ہوتا ہے) شاخ نہم اخنسیہ کا یہ قول ہے کہ مرنے کے بعد میّت کو کچھ بھلائی یا بُرائی لاحق نہیں ہوتی ہے (یعنی عذاب و ثواب سے انکار کرتے ہیں)۔ شاخ دہم محکمیہ کہتے ہیں کہ جو کوئی کسی مخلوق کی طرف فیصلہ چاہنے جائے تو وہ کافر ہے۔ (اسی وجہ سے جب حضرت علیؓ و اہلِ شام میں ثالثی فیصلہ قرار پایا تو اس خارجی فرقہ نے امیر المؤمنین کے لشکر سے جُدا ہو کر دونوں فریق کو کافر کہنا شروع کیا) شاخ یازدہم معتزلہ یعنی حروریہ میں سے معتزلہ یہ وہ فرقہ ہے جو کہتے ہیں کہ علیؓ بن ابی طالب و معاویہؓ کا معاملہ ہم پر مشکوک ہوا۔ یعنی حکم صاف نہیں کھلتا ہے اس لئے ہم دونوں فریق سے بیزاری و تبرّا کرتے ہیں۔ شاخ دوازدہم میمونیہ (اس کا بانی میمون بن خالد تھا) فرقہ کہتا ہے کہ کوئی امام نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے چاہنے والے اس سے راضی نہ ہوں۔

فرقہ قدریہ بھی بارہ فرقوں میں منقسم ہوا۔ احمریہ۔ جس کا قول یہ ہے (اللہ تعالیٰ پر عدل جاری کرنا فرض ہے اور) اللہ تعالیٰ کے عدل میں شرط یہ ہے کہ اپنے بندوں کو اُن کے کاموں کا مختار کرے۔ اور اُن کے گناہوں کے درمیان اُن میں حائل ہو کر روکے۔ فرقہ ثنویہ کہتا ہے کہ بھلائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور بُرائی ابلیس پیدا کرتا ہے۔ معتزلہ کہتا ہے کہ یہ قرآن پیدا کیا ہوا ہے۔ اور آخرت میں خدا کا دیدار محال ہے (سب بدعتی گمراہ فرقے اللہ تعالیٰ کے دیدار کو محال کہتے ہیں۔ اس میں خوارج و روافض وغیرہ سب یکساں ہیں) کیسانیہ۔ جو کہتے ہیں کہ ہم کو نہیں معلوم ہوتا کہ یہ افعال آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں یا بندوں سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی ہم نہیں جانتے کہ بندے بعد موت کے ثواب پاویں گے یا عذاب پاویں گے۔ شیطانیہ۔ جس کا یہ قول ہے کہ خدا نے شیطان کو نہیں پیدا کیا ہے۔ شریکیہ۔ جو کہتے ہیں کہ سب بُرائیاں مقدور ہیں سوائے کفر کے۔ وہمیہ کہتے ہیں کہ مخلوق کے افعال کی ذات نہیں ہے اور نہ نیکی و بدی کی ذات ہے۔ راوندیہ (راوندیہ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

جو کتابیں اُتری ہیں تو اُن پر عمل کرنا فرض ہے خواہ کوئی اس کو ناسخ کہے یا منسوخ کہے ۔

فائدہ : اس نفس پرست فرقہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمؑ کے وقت میں بھائی بہن کا نکاح دو بطنِ مختلف سے جائز تھا تو اب بھی یہ لوگ اس پر عمل کریں گے ۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ کے وقت میں دو بہنوں کا نکاح اور مابعد شراب خوری وغیرہ سب عمل میں لاویں گے ۔

بزنیہ کہتے ہیں کہ جس نے گناہ کر کے توبہ کی تو اس کی توبہ قبول نہ ہو گی ۔ ناکثیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت توڑ دی تو اس پر گناہ نہیں ہے ۔ قاسطیہ کہتے ہیں کہ دنیا میں زاہد ہونے سے یہ افضل ہے کہ دُنیا تلاش کرنے میں کوشش کرے ۔ نظامیہ جس نے ابراہیم نظام کی پیروی میں یہ کہا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو شے کہے تو وہ کافر ہے ۔

فائدہ : یہ بھی فرقہ اعتقادِ معتزلہ پر گمراہ ہے اور یہ ایک بات اُس گمراہی پر اور زیادہ بڑھائی ہے ۔ اسی طرح ان سب فرقوں میں باہم مخالفت ہے اور سب خلاف طریقہ رسالت ہیں ۔

جہمیہ فرقہ میں بھی بارہ شاخیں ہیں ۔ معطلہ ۔ جو کہتے ہیں کہ جس چیز پر انسان کا وہم پڑے وہ مخلوق ہے ۔ اور جو کوئی دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے تو وہ کافر ہے ۔ مرتیہ (مُرِیسیہ) فرقہ گمراہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات مخلوق ہیں ۔ ملترقہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے ۔

فائدہ : تعجب ہے کہ اسی گمراہ فرقہ کا یہ اعتقاد اکثر عوام اہل السنتہ میں پھیل گیا ۔ اور یہ لوگ بھی کہنے لگے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے ۔ شاید اس کا سبب یہ ہوا کہ محکمۂ عدالت و قضا میں قسم لینے کا یہ طریقہ تھا کہ خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھاؤ یا گواہی دو تو عوام اپنی بے علمی سے یہ سمجھے کہ خدا حاضر موجود ہے ۔ حالانکہ قاضی کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم و ناظر ہے اور یہی عربی محاورہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تجھ کو دیکھتا اور علیم و خبیر ہے ۔ یہ یاد کر کے سچی قسم کھائے گا ۔ عوام نے اپنی سمجھ سے حاضر کے یہ معنی لگائے جیسے آپس میں بولا کرتے ہیں ۔ لہٰذا علماء پر فرض ہے کہ وعظ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و اعتقادِ حق کو اول بیان کیا کریں تا کہ آئندہ ان کی نصیحت سچے ایمان والوں کو مفید ہو ۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ ہو الموفق ۔

وازدیہ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ جہنم میں نہ جائے گا اور جو کوئی جہنم میں گیا وہ کبھی وہاں سے نہیں نکالا جائے گا ۔

فائدہ : اس فرقہ جاہل کے نفس نے اُن کو یہ یقین دلایا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے

والے ہو، اور اس جاہل نے اپنے نفس کا غرہ بے دلیل مان لیا۔

زنادقہ[۵] کہتے ہیں کہ کسی کے واسطے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی ذات کے واسطے کوئی رب (پروردگار) ثابت کرے۔ اس لئے کہ ثابت کرنا جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس سے ادراک کر لے۔ حالانکہ یہ ادراک ممکن نہیں ہے تو یہ حواس کے ادراک کرنے کا آلہ نہیں ہو سکتے ہیں تو پھر جو چیز ادراک ہی نہیں ہو سکتی ہے تو ثابت بھی نہیں ہو سکتی ہے۔

فائدہ: یہ دلیل محض غلط اور بالکل خبط ہے۔ اور سرے سے یہی غلط ہے کہ رب کو ثابت کرے۔ اس لئے کہ پہچاننا اور ہے اور ثابت کرنا اور ہے۔ اسی واسطے مصنفؒ نے ان احمقوں کی دلیل بھی نقل کر دی تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ یہ فرقہ کیسا بے وقوف ہے۔

حرقیہ[۱] فرقہ کا قول ہے کہ کافر کو (جب جہنم میں ڈالا جائے گا) آگ ایک بار جلا کر کوئلہ کر دے گی۔ پھر وہ ہمیشہ کوئلہ پڑا رہے گا۔ اس کو آگ کی جلن محسوس نہ ہو گی۔

مخلوقیہ[۷] کہتا ہے کہ یہ قرآن مخلوق ہے۔ فانیہ[۸] فرقہ کا قول ہے کہ جنت و دوزخ دونوں فنا ہونے والی ہیں۔ اور ان میں سے بعضے یہ کہتے ہیں کہ ہنوز وہ دونوں پیدا ہی نہیں ہوئی ہیں۔ عزیہ[۹] (غیریہ) نے پیغمبروں سے انکار کیا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ صرف عقلا تھے۔

فائدہ: یہ قول محض کفر ہے۔ اور یہی اس زمانہ میں نیچریہ فرقہ کا قول ہے۔

واقفیہ[۱۰] کہتے ہیں کہ ہم توقف کرتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے اور نہ یہ کہ مخلوق نہیں ہے۔ قبریہ[۱۱] کہتا ہے کہ قبر میں عذاب (ثواب) نہیں ہے۔ اور نہ آخرت میں شفاعت ہے۔ لفظیہ[۱۲] فرقہ کہتا ہے کہ قرآن کے ساتھ ہمارا تلفظ کرنا مخلوق ہے۔

اسی طرح مرجیہ فرقہ کی بھی بارہ قسمیں ہیں۔ تارکیہ[۱] فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے مخلوق پر کوئی عمل فرض نہیں ہے، سوائے ایمان کے۔ پس جب بندہ اس پر ایمان لایا اور اس کو پہچانا تو پھر جو چاہے وہ کرے۔ سائبیہ[۲] کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کر کے چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہیں وہ کریں۔ یہ بھی کہنا چاہئے تھا کہ پھر جو کچھ کریں گے اس کا عوض آخرت میں پاویں گے لیکن اس گمراہ فرقہ نے اس سے انکار کیا۔

راجیہ[۳] کہتا ہے کہ ہم کسی بدکار کو عاصی و نافرمان نہیں کہہ سکتے اور نہ کسی نیکوکار کو طائع و فرمانبردار

کہہ سکیں۔ کیونکہ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے لئے عند اللہ کیا ہے۔

فائدہ : اس فرقہ کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انجام نہیں جانتے ہیں۔ اس لئے کہ انجام کو کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جو حالت بالفعل موجود ہے یہ ظاہر ہے۔ تو یہ فرقہ اس سے بھی منکر ہے گویا کہتا ہے کہ اس بدکار کی بدکاری شاید پسندیدہ ہو، یہ قبیح گمراہی ہے۔

شاکیہ[۴] کہتا ہے کہ نیک اعمال اور طاعات ایمان میں سے نہیں ہیں۔ بھیسیہ[۵] کہتا ہے کہ ایمان علم ہے اور جس نے حق کو باطل سے تمیز کرنا اور حلال کو حرام سے تمیز کرنا نہ جانا وہ کافر ہے۔ عملیہ[۶] کہتا ہے کہ ایمان فقط عمل ہے۔ مستثنیہ[۷] نے ایمان سے استثناء (یہ کہنا کہ میں مومن ہوں انشاء اللہ) سے انکار کیا۔ مشبہ[۸] کہتے ہیں کہ خدا کی آنکھ میری آنکھ جیسی ہے۔ اور میرے ہاتھ کی طرح اس کا ہاتھ ہے (اور عرش پر اسی طرح مستوی ہے جیسے ہم لوگ تخت پر بیٹھتے ہیں) حشویہ[۹] نے سب احادیث کا ایک حکم ٹھیرایا۔ چنانچہ اُن کے نزدیک فرض ترک کرنے کا حکم ویسا ہی ہے جیسے نفل ترک کرنے کا۔

فائدہ : حشویہ نام اس لئے ہوا کہ یہ فرقہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں الٓمٓ اور طٰسٓ اور حٰمٓ وغیرہ حروف مقطعات صرف زائد حروف بے معنی ہیں۔ اور جو آیتیں عذاب کا خوف دلانے والی ہیں وہ فقط دھمکی ہے۔ نعوذ باللہ من کفرہم۔

ظاہریہ[۱۰] جو شرعی مسائل میں قیاس سے حکم اجتہادی نکالنے سے انکار کرتے ہیں۔ بدعیہ[۱۱] اس فرقہ نے اوّل اوّل اس اُمت میں بدعت کا احداث شروع کیا۔ منقوصیہ[۱۲] یہ کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے۔ (بعض نے کہا کہ اُن کا یہ اعتقاد ہے کہ جب ہم نے ایمان کا اقرار کیا تو جو کچھ نیکی کریں وہ مقبول ہے اور جو برائیاں مانند زنا اور چوری وغیرہ کے عمل میں لاویں وہ بخشی جاتی ہیں۔ چاہے توبہ کرے، یا نہ کرے۔) واللہ اعلم۔

فرقہ رافضہ کی بھی بارہ[۱۲] شاخیں ہیں۔ علویہ[۱] کہتا ہے کہ رسول بنانے کا پیغام اصل میں جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ حضرت علیؓ کی طرف بھیجا گیا تھا۔ اور جبرئیل علیہ السلام نے غلطی کر کے وہ دوسری جگہ پہنچا دیا (جیسے یہود کہتے تھے کہ جبرئیلؑ نے ہماری عداوت سے بنی اسرائیل کو چھوڑ کر بنی اسمٰعیل میں وحی اُتاری ہے۔ یہ لوگ کافر ہیں)۔ امریہ[۲] - یہ فرقہ کہتا ہے کہ کارِ نبوت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ شریک ہیں (یہ بھی ظاہر کفر ہے) شیعیہ[۳] فرقہ کہتا ہے کہ علیؓ وصی رسول اللہ اور آپؐ کے بعد خلیفہ تھے۔ اور اُمت نے دوسرے کی بیعت کر کے کفر کیا۔

فائدہ : امام ذہبیؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ قدیم شیعہ فرقہ کا قول فقط یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ اور جس نے اُن سے لڑائی کی اس نے گناہ کمایا۔ پھر اس فرقہ میں بعضے بڑھ کر کہنے لگے بلکہ علیؓ سب سے افضل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کو پہلے خلیفہ اس لئے کر دیا تاکہ خلافت کا خاتمہ علیؓ پر ہو۔ اور آپ کی اولاد میں قیامت تک باقی رہے۔ جیسے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی۔ اور جو قول مصنفؒ نے بیان کیا یہ رافضیہ فرقہ کا عقیدہ ہے جو آخر میں پیدا ہوا۔

اسحاقیہ فرقہ کہتا ہے کہ نبوت تا قیامت ہوتی چلی جائے گی۔ اور جو کوئی اہل بیت کا علم جانے وہی نبی ہوتا رہے گا۔ ناووسیہ فرقہ کہتا ہے کہ حضرت علیؓ سب اُمت سے افضل ہیں۔ پس جو کوئی کسی دوسرے صحابی کو آپ پر فضیلت دے گا وہ کافر ہو گا۔ امامیہ فرقہ کہتا ہے کہ دُنیا کبھی ایک امام سے خالی نہ ہو گی۔ اور وہ امام اولاد حسین رضی اللہ عنہ سے ہو گا۔ اور اس کو جبرئیل علیہ السلام تعلیم کرتے رہیں گے۔ جب وہ مرے گا تو بجائے اس کے دوسرا اس کے مثل ہو گا (اس زمانہ میں جس فرقہ نے امامیہ اپنا نام رکھا ہے وہ ناووسیہ و رافضیہ وغیرہ کا مجموعہ مرکب ہے)۔ زیدیہ فرقہ کہتا ہے کہ نماز کے امام کُل اولاد حسین ہیں۔ تو جب تک اُن میں سے کوئی ہو تو کسی غیر کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ پرہیز گار ہو یا اس کے افعال خلاف شرع ہوں۔ عباسیہ فرقہ کا یہ زعم ہے کہ سب سے زیادہ حق دار خلافت عباس بن عبدالمطلب تھے۔ متناسخہ فرقہ کا قول ہے کہ رُوحیں ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر وہ شخص نیکو کار تھا تو اس کی روح نکل کر ایسے بدن میں پڑ جاتی ہے جو دُنیا میں عیش سے رہنے والا ہے۔ اور اگر بدکار تھا تو ایسے بدن میں پڑتی ہے جو دُنیا میں کوفت و تکلیف سے زندگی بسر کرے گا۔ رجعیہ فرقہ کا زعم یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور آپ کے اصحاب دنیا میں دوبارہ لوٹ آویں گے۔ اور یہاں اپنے دشمنوں سے اپنا بدلہ لیں گے۔ لاعنیہ فرقہ وہ ہے جو حضرت عثمان و طلحہ و زبیر و معاویہ و ابوموسیٰ اشعری و ام المؤمنین عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم پر لعنت کرتے ہیں۔ متربصہ ایک فرقہ ہے کہ عابد فقیروں کا لباس پہنتے ہیں اور ہر وقت میں ایک شخص کو مقرر کر کے رکھتے ہیں کہ یہی اس عصر میں صاحب الامر ہے۔ اور یہی اس اُمت کا مہدی ہے۔ پھر جب وہ مرا تو دوسرے کو اسی طرح مقرر کر لیتے ہیں۔

جبریہ فرقہ بھی بارہ قسموں میں منقسم ہوا ہے۔ مضطریہ فرقہ کہتا ہے کہ آدمی کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کام کرتا ہے۔ افعالیہ فرقہ کہتا ہے کہ ہمارے افعال تو ہم سے صادر

ہوتے ہیں لیکن ہم کو اس کے کرنے یا نہ کرنے میں استطاعت خود نہیں ہے۔ بلکہ ہم لوگ بمنزلہ جانوروں کے ہیں کہ وہ رسّی سے باندھ کر جدھر چاہتے ہیں ہانکے جاتے ہیں۔ مفروغیہ فرقہ کہتا ہے کہ کُل چیزیں پیدا ہو چکیں، اب کچھ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ نجاریہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اُن کے نیک و بد افعال پر عذاب نہیں کرتا اپنے فعل پر عذاب کرتا ہے۔ مبانیہ (متانیہ) فرقہ کہتا ہے کہ تجھ پر لازم فقط وہ ہے جو تیرے دل میں آئے۔ پس جس دلی خطرہ سے تجھے بہتری نظر آئے اس پر عمل کر۔ کسبیہ فرقہ کہتا ہے کہ بندہ کچھ ثواب یا عذاب نہیں کماتا ہے۔ سابقیہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ جس کا جی چاہے نیک کام کرے اور جس کا جی چاہے نہ کرے۔ اس لئے کہ جو نیک بخت ہے اس کو گناہوں سے کچھ ضرر نہیں ہوگا اور جو بدبخت ہے اس کو نیکیوں سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

حُبّیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے شرابِ محبّتِ الٰہی کا پیالہ پیا اس سے ارکانِ عبادت ساقط ہو جاتے ہیں۔ خوفیہ فرقہ کہتا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو اس کو روا نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف کرے اس لئے کہ محب اپنے محبوب سے خوف نہیں کر سکتا۔ فکریہ فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر علم معرفت بڑھے اسی قدر عبادت اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ حسنیہ فرقہ کہتا ہے کہ دنیا سب لوگوں میں برابر مشترک ہے۔ کسی کو دوسرے پر زیادتی نہیں ہے کیونکہ وہ اُن کے باپ آدم علیہ السلام کی میراث ہے۔ معیّنیہ فرقہ کہتا ہے کہ یہ افعال ہم سے صادر ہوتے ہیں۔ اور ہم کو اُن کی استطاعت و قدرت حاصل ہے ✤